عقائدِ اہل تشیّع کا علمی محاسبہ
مصنفہ
السید احمد بن دحلان مفتی الشافعیہ مکہ مکرمہ
مترجم
صوفی محمد اسلم نقشبندی
جامعہ عربیہ اسلامیہ جہلم
اہل السنّہ سیالکوٹ شیر دیہ ضلع جہلم
Scanned by CamScanner

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اوران سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے

عقائد اہل تشیع کا علمی محاسبہ

مصنف

السید احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ مکہ مکرمہ

(۱۲۳۳ھ......۱۳۰۴ھ)

مترجم

صوفی محمد اسلم نقشبندی

جامعہ عربیہ اسلامیہ جہلم
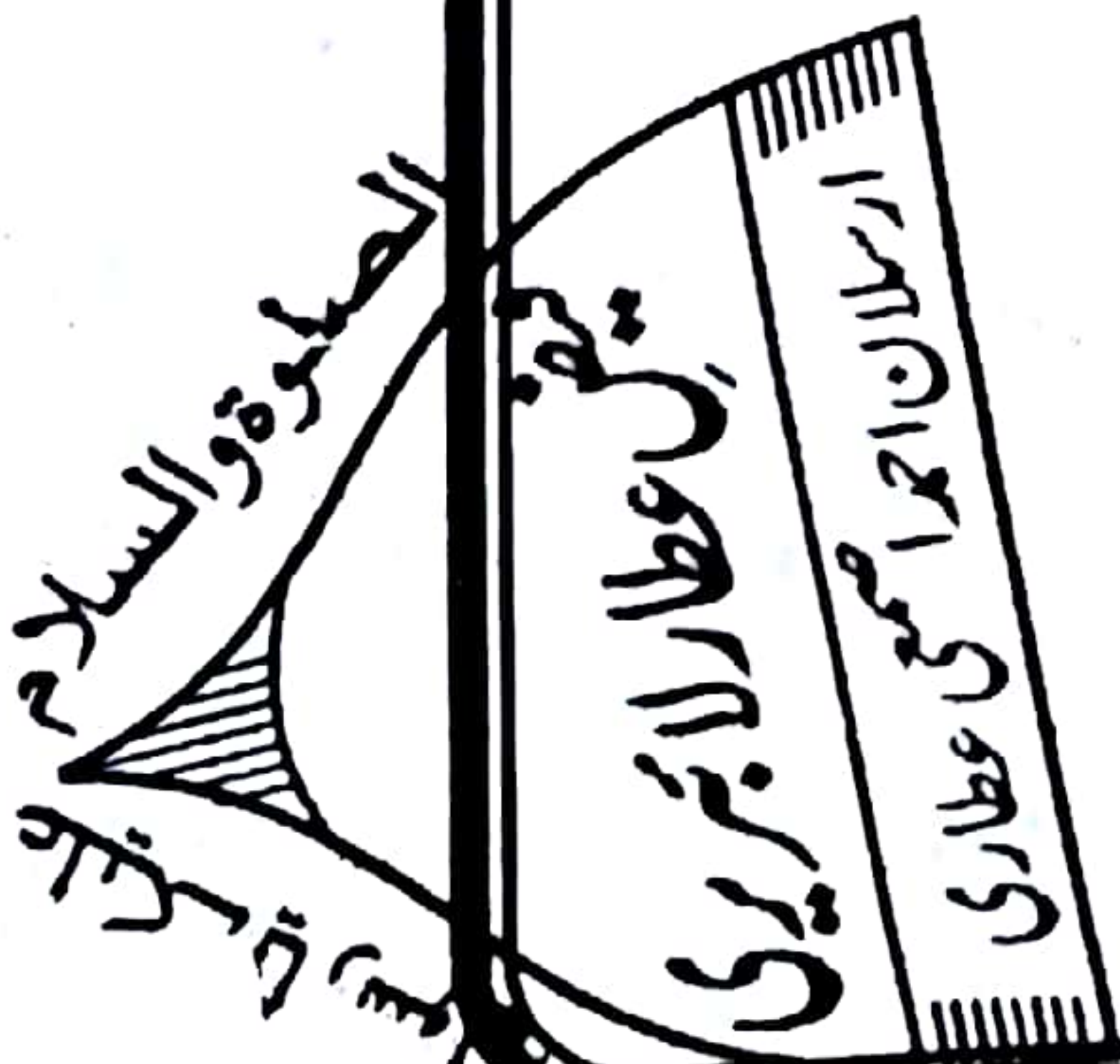
نام کتاب	عقائد اہل تشیع کا علمی محاسبہ
مصنف	السید احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ مکہ مکرمہ
مترجم	صوفی محمد اسلم نقشبندی زید مجدہ
کمپوزنگ	محمد ناصر الہاشمی حفظہ اللہ تعالی
نظر ثانی	مولانا رضوان علی
اشاعت	جون 2011ء/ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ
صفحات	40
تعداد	1100
قیمت	

ملنے کا پتہ

مکتبہ اہل السنۃ پبلی کیشنز

گلی شاندار بیکرز منگلا روڈ دینہ (جہلم) 0321-7641096,0544-630177

E.mail:ahlusunnapublication@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ صاحبِ کتاب اور مترجم کے بارے میں

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد کے وجودِ مسعود سے اگرچہ زمین کا کوئی آباد گوشہ خالی نہیں تاہم حجازِ مقدس زادھا اللہ شرفا و تعظیما میں- جو اس خانوادۂ عالیہ اور شجرۂ طیبہ کا مرکز ہے- ہر ہر دور میں ایسے افراد موجود رہے ہیں جو علم و فضل، زہد و تقوی اور دیگر اوصافِ حمیدہ میں اپنے اسلافِ کرام کا کامل نمونہ اور الولد سر لابیہ کا مکمل مصداق تھے- ایسا ہی ایک خاندان مکہ مکرمہ میں صدیوں سے قرار پذیر ہے جسے بیت دحلان کہا جاتا ہے، اس خاندان کے افراد علم، فضل، نسب، معرفت، اخلاقِ حسنہ، تواضع، رأفت و رحمت، سخاوت و جود، تحمل و بردباری، خدمتِ دین اور دیگر اوصاف میں ہر ہر زمانے میں اہل زمانہ سے فائق اور ممتاز رہے ہیں- ماضی قریب میں اسی خاندان میں اللہ تعالی نے ایک ایسی شخصیت کو پیدا کیا جن کا وجود پورے خاندان کے لیے وجہِ افتخار بن گیا، اور وہ شخصیت ہے الامام العلامہ المحدث السید احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمۃ والرضوان کی، آپ ۱۲۳۲ ہجری میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوے اور ۱۳۰۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اللھم ارزقنا شھادۃ فی بلد حبیبک بجاہ نبیک وخلیلک صلی اللہ علیہ وسلم-

آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا الشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ الشریف سے ہوتا ہوا امیر المومنین سیدنا حسن بن علی کرم اللہ وجہہما کی ذاتِ اقدس تک پہنچتا ہے-

ہوش سنبھالتے ہی باقاعدہ دینی تعلیم کا آغاز ہوا، گھر میں ہر طرف علم و فضل کے اساطین اور زہد و تقوی کے چلتے پھرتے نمونے موجود تھے، اس لیے بچپن ہی سے طبیعت

تحصیل علوم اور زہد وعبادت کی طرف راغب ہوگئی، اپنے زمانے کے اجلہ علماء کی خدمت میں جا کر رسمی تعلیم حاصل کی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی حصول علم کے لیے وقف فرما دی، ساری زندگی نہ اور کوئی شغل اختیار کیا نہ ہی کوئی مصروفیت اپنائی - علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد دعوت الی اللہ، تصنیف وتالیف، ارشاد وافتاء کے میدانوں میں کام کیا اور متاع حیات کو پوری دیانت داری کے ساتھ خالق حیات کے دین کی سربلندی کے لیے وقف فرما دیا، اللہ تعالی نے آپ کو زندگی میں ہی اس بلند رتبہ سے نوازا کہ آپ امام الحرمین اور مفتیٔ مکه مکرمه کے عظیم مناصب پر فائز رہے اور علماء نے آپ کو ''شیخ علماء الحجاز'' کے لقب سے ملقب فرمایا - آپ صحیح معنوں میں عقلی اور نقلی علوم کے جامع تھے، تفسیر، حدیث، اصول، فقہ، سیرت کے ساتھ ساتھ منطق، فلسفہ، ریاضی، ہندسہ وغیرہ پر بھی کامل دسترس تھی، آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں:

۱- السیرة النبویه ۲ جلد

۲- الفتوحات الاسلامیه بعد الفتوحات النبویه

۳- الفتح المبین فی سیرة الخلفاء الراشدین وائمة اهل البیت الطاهرین-

٤- تاریخ الاندلس

٥- فضائل الجمعة والجماعات

٦- بیان المقامات وکیفیة السلوك

۷- الانوار السنیة بفضائل ذریة خیر البریة ﷺ

۸- النصائح الایمانیة للامة المحمدیة

۹- تاریخ الدول الاسلامیة بالجداول المرضیة

۱۰- طبقات العلماء

۱۱- متن الشاطبية الجامع بكل المرام فى القراء ات

۱۲- الرد على الروافض والمبتدعة

۱۳- متن البهجة وابى شجاء وعقود الجمان

۱۴- متن الالفية

۱۵- تلخيص منهاج العابدين للأمام الغزالى

۱۶- تلخيص اسد الغابة

۱۷- تلخيص الاصابه فى معرفة الصحابة

۱۸- حاشيه على الزبد لابن ارسلان

۱۹- فتح الجواد المنان بشرح فيض الرحمان

۲۰- رسالة فى البسملة

۲۱- رسالة عن فضائل الجمعة

۲۲- رسالة الشكر

۲۳- رسالة فى البعث والنشور

۲۴- ارشاد العباد فى فضائل الجهاد

۲۵- شرح الاجرومية فى النحو

۲۶- شرح على الالفية

۲۷- تقريرات على تفسير البيضاوى

۲۸- تقريرات على الاشمونى والصبان

۲۹- تقریرات علی الصبان

۳۰- حاشیة البنانی

۳۱- حاشیه علی مختصر الایضاح لابن حجر

۳۲- حاشیه علی جمع الجوامع

۳۳- تقریب الاصول لتسهیل الوصول لمعرفة الله والرسول ﷺ

اس کے علاوہ آپ کی کچھ تصانیف ایسی ہیں جن کی آپ تکمیل نہ فرما سکے- آپ کی تمام تصانیف کو شہرت اور قبولیت نصیب ہوئی، علماء آپ کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کی تحقیقات کو بطور حوالہ ذکر فرماتے ہیں، اور آپ کی کتب کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں-

امام اہل سنت، فاضل بریلوی امام احمد رضا قادری قدس سرہ (م ۱۹۲۱ء) کے آپ سے خصوصی مراسم تھے، ۱۲۹۵ ہجری میں جب آپ حرمین شریفین حاضر ہوئے تو امام احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمہ نے آپ کو حدیث کی اجازات سے نوازا-

چند دن قبل مکتبہ اہل السنہ پبلی کیشنز (دینہ) پر حاضری ہوئی تو وہاں آپ کی ایک کتاب الرد علی الروافض والمبتدعة کا ترجمہ دیکھا، اصل کتاب تو اپنے موضوع پر ایک لاجواب دستاویز ہے ہی، ترجمہ پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا ہی چلا گیا، ترجمہ ایک مشکل صنفِ سخن ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وادئ پرخار سے کم ہی لوگ بعافیت گزرتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ ترجمہ پڑھ کر کسی تشنگی کا احساس نہیں ہوا، میں نے پوچھا کہ یہ ترجمہ کس کی کاوش ہے تو سن کر مزید خوشی ہوئی کہ یہ عظیم علمی کاوش استاذ العلماء علامہ صوفی محمد اسلم نقشبندی زید مجدہ کے قلم گوہر بار کی ہے، راقم بہت عرصے سے حضرت کا نیاز مند ہے، آپ کے اخلاق عالیہ، تبسم سے آراستہ چہرہ، اور انتہائی شستہ اور مدلل موقع کے مناسب گفتگو ملنے

والے کو متاثر کیے بغیر نہیں چھوڑتی ،جہلم کے علماء میں آپ نمایاں حیثیت کے حامل ہیں ،اس سے قبل معلوم نہیں تھا کہ آپ میدان تقریر و تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر کے میدان میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں ،میری دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے قلم کو ایسے بہت سے جواہر پارے تخلیق کرنے کی توفیق بخشے ،آمین

آخر میں انصاف پسند قارئین کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ امام احمد بن زینی دحلان کا یہ رسالہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امت مسلمہ کے غیور علماء نے ہر دور میں احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بے لاگ طریقے سے ادا فرمایا ہے اور اس معاملے میں وہ کسی کو خاطر میں نہیں لائے ،صلح کلیت اور ''سب ٹھیک ہے'' کے رویہ سے ہمارے اکابر کا کوئی تعلق نہ تھا نہ ہے- آج کل بعض ہوسِ شہرت و مال کے پجاری اس راستے کے مسافر بن کر اپنی اور اپنے چشم پوش متبعین کی ہلاکت کا سامان کرنے پر تلے ہوئے ہیں- ایسے لوگوں سے اپنا دامن بچا کر رکھنا ضروری ہے، یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ کسی شخصیت کی شہرت ،اندازِ بیان اور تصانیف کی کثرت اسلام کی نظر میں اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ،حقانیت کی دلیل اُس راستے پر ثابت قدم رہنا ہے جو اسلافِ کرام قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارے لیے منتخب کر کے گئے ہیں-

الفقیر الی اللہ الغنی
محمد سہیل احمد سیالوی
۲۶ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ
۲ مئی ۲۰۱۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

یہ کلمات میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کرتا تھا۔ وہ اکثر انکا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اور اپنی مختلف مجالس میں انہیں بار بار دہرایا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی اور اس خوف کے پیش نظر کرتے تھے۔ کہ کہیں ٹیڑھی فکر والے بدعتی لوگ اہل سنت و جماعت کے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا نہ کر دیں۔

خصوصاً انکا مشاہدہ تھا، کہ اکثر اہل بدعت حج کے ارادے سے مکہ معظّمہ آتے اہل سنت و جماعت سے ملتے جلتے اور اس دوران انکے دلوں میں ایسے شبہات ڈال دیتے تھے۔ جن کو وہ اپنی گمراہی اور کج فہمی کے سبب مستند سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اہل بدعت کے ساتھ ملنے جلنے کو بہت خطرناک سمجھتے تھے۔ اسلئے وہ اہل سنت و جماعت اہل علم حضرات کو اپنی تقاریر میں اہل بدعت کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کیلئے مستند عقلی اور نقلی دلائل سکھایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کے خوف کی وجہ سے مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران کسی بدعتی کو اپنے عقائد اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اسلئے مذاہب اربعہ کے مخالفین اور اجتہاد کے نئے دعویدار حضرت شیخ سے خوفزدہ رہتے تھے۔ حضرت شیخ تمام مخالفین کے خلاف حجت تھے۔

آپ اہل سنت و جماعت کے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کرنے اور انکے اعتراضات کا رد کرنے کیلئے عقلی اور نقلی دلائل پر مبنی مندرجہ ذیل لائحہ عمل پیش فرمایا کرتے تھے۔

''مناظرہ کا بنیادی قدم''

کسی فریقِ مناظرہ پر یہ بات مخفی نہیں ہونی چاہئے۔ کہ فنِ مناظرہ میں فریقین کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ وہ آغازِ مناظرہ میں ایسی بنیاد کا تعین کریں، جس پر وہ اختلاف کی صورت میں متفق ہوں۔ جب حنفی اور شافعی کے درمیان مناظرہ ہوتو فریقین کیلئے کتاب سنت اجماع اور قیاس مرجع ہوں گے۔ جب کوئی ان چاروں میں سے کسی ایک کی بنیاد پر دلیل قائم کرے، اور دوسرا فریق اسکا رد کرنے سے عاجز آجائے، تو دلیل لانے والا فریق غالب سمجھا جائیگا، اگر اختلاف کی صورت میں ان چار اصولوں کی طرف رجوع نہیں کیا جائیگا۔تو مناظرہ ممکن نہ ہوگا۔

پس جب سنی اور شیعہ کے یا کسی اور اہل بدعت کے درمیان مناظرہ ہوتو فریقین پر لازم ہے۔ کہ وہ کتاب وسنت کو معیار تسلیم کریں۔ جس کی طرف اختلاف کی صورت میں رجوع کرسکیں۔ سنی مناظر شیعہ فریق مخالف سے یوں آغاز کرے۔

کیا تو اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ قرآن پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مُـنَـزَّل مِنَ اللّٰـه کتاب ہے۔ جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور جس کی مثل ایک چھوٹی سے آیت لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔

اگر وہ اسکا انکار یا اسمیں شک کرے، تو یہ انکار اور شک کفر ہے۔ ایسے شخص کے ساتھ مناظرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایسے شخص پر کافروں جیسے احکام جاری ہوں گے۔

اس طرح اگر وہ قرآن پاک میں تغیر اور تبدیلی کا اعتقاد کرتا ہو، تو وہ اللہ جل جلالہ کے

اس ارشاد کو جھٹلانے والا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن (القران)

اگر وہ اسکا اعتراف کرے کہ میں اسی قرآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ سمجھتا ہوں۔اور اسی قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے۔اور اسی قرآن پاک کی مثل کوئی سورۃ لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔تو اسکے سامنے قرآن پاک کی درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کی جائیں۔یا ان کو ایک علیحدہ کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا جائے گا۔جن کو اللہ جل جلالہٗ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وثنا میں نازل کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا میں نازل ہونے والی کچھ آیات کریمہ

۱) آیت نمبرا انفال 64/8

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ :۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی اللہ تمہیں کافی ہے اور جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔

۲) سورہ توبہ آیت نمبر 88/9

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ لیکن رسول ﷺ اور جو انکے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہیں کیلئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچے۔

۳) سورہ توبہ آیت نمبر 100

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ :۔ اور سب میں پہلے اگلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ انکے پیرو ہوئے۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی اور تیار کر رکھے ہیں انکے لئے باغ جن کے نیچے نہریں

ہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

۴) سورہ فتح آیت 18/48 (پارہ ۲۶)

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْیُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحاً قَرِیْباً ۝

ترجمہ:۔ بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے بیعت کرتے تھے۔ تو اللہ جل جلالہ نے جانا جو انکے دلوں میں ہے۔ ان پر اطمینان اتارا، اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

۵) سورہ فتح آیت نمبر 29 (پارہ ۲۶)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّ اءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعاً سُجَّدًا یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَاناً سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِالسُّجُوْدِ ذَالِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَ مَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْ الصَّالِحَاتِ مِنْھُمْ مَغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْماً ۝

(القرآن)

ترجمہ:۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ میں گرتے، اللہ کا فضل اور رضا چاہتے انکی علامت انکے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان ہیں یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور انکی صفت انجیل میں۔ ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی پھر

اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی۔ کسانوں کو بھلی لگتی ہے۔ تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

۶) 10/57 سورہ حدید آیت نمبر 10 (پارہ ۲۷)

لَایَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ o

ترجمہ:۔ تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا۔ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے نہیں۔ جنہوں نے بعد فتح کے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

۷) سورہ انبیاء آیت نمبر 100 (پارہ نمبر ۱۷، سورۃ نمبر ۱)

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ o

ترجمہ:۔ بے شک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

۸) سورۃ حشرات نمبر 8 (پارہ نمبر ۲۸، سورہ نمبر ۲۸)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

ترجمہ:۔ ان فقیر ہجرت کرنے والوں کیلئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، اللہ

کا فضل اور اسکی رضا چاہتے ہیں۔ اور اللہ اور رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں، وہی سچے ہیں۔

پھر ان آیات کی تلاوت یا تحریر کے بعد سنی کو کہنا چاہیے، کہ یہ قرآنی آیات اللہ جل جلالہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا میں نازل کی ہیں۔ یہ آیات اس پر شاہد ہیں کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچے ہیں۔

اور ان آیات کریمہ میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔

اور تو نے پہلے ان آیات کریمہ کو قرآنی آیات تسلیم کیا ہے۔ بدیں وجہ تجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن اور برائی ترک کر دینی چاہیے۔ اگر تو ان آیات کے ہوتے ہوئے ان پر طعن کرے گا، تو ان آیات کے مضامین کو جھٹلانے کا مرتکب ہوگا۔ جبکہ قرآنی آیات کی تکذیب کفر ہے۔

بتا انکے بارے تیری کیا رائے ہے؟

اگر وہ کہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں شامل نہیں ہیں۔

تو ہم اس کا رد اس طرح کریں گے کہ ان آیات میں وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى بھی ہے لہذا یہ آیات کریمہ کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہیں۔ بفرض محال اگر ہم آپ کی بات تسلیم بھی کرلیں۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات کے مصداق نہیں ہیں، تو پھر اس سے پوچھا جائیگا، کہ اگر یہ آیات کریمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل نہیں ہوئیں۔ تو پھر یہ آیات کریمہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہیں؟

سرکارِ دو عالم ﷺ کو اللہ جل جلالہ نے مبعوث فرمایا اور انہوں نے لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف بلایا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقریباً ۲۳ سال تک رہے۔ اس دوران

قرآن پاک نازل ہوا۔سرکار نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اسکی تلاوت کی۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے احکام سکھائے اور ایک خلق خدا ایمان لے آئی۔جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا،تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔اور یہ آیات انکے حق میں اتریں۔جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح سرائی کی گئی ہے۔پس اس سے اس امر کی شہادت مل گئی۔کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچے اور جنتی ہیں۔

اس طرح حضور علیہ السلام سے بہت زیادہ احادیث مبارکہ ثابت ہیں۔جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا بیان کی گئی ہے۔ان احادیث میں بعض تو عمومی ثنا پر دال ہیں۔اور بعض خصوصی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کے ساتھ مذکور ہیں۔

سوال :۔ کیا یہ آیات قرآنی جو مدح وثناء پر دلالت کرتی ہیں۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں مذکور نہیں یا خاص خاص صحابہ کرام کے بارے میں ہیں؟

اگر تو یہ کہے کہ یہ آیات بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں ہیں۔تو سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ وہ خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کون سے ہیں؟ کیا وہ معلوم ہیں یا نہیں؟ کیا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ ہیں یا کم ؟ کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خلفائے راشدین ،بقیہ عشرہ مبشرہ،اہل بدر واحد اور بیعت رضوان والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں؟ یا نہیں؟

اگر وہ یہ کہے کہ یہ آیات جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ہیں،تو لازم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزگی کا اعتقاد رکھے۔اور ان پر طعن وتشنیع نہ کرے۔اور انکے درمیان جتنے اختلاف رونما ہوئے ہیں،انکی صحیح تاویل کرے۔اور ان اختلاف کو ان کے اجتہاد پر محمول کرے۔اور حق کی تلاش کرے اور وہ یہ ہے،کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہادی رائے میں درست راہ پر ہوں ان کے لئے دگنا ثواب ہے۔اور جو مصیب نہیں انہیں ایک گنا ثواب

ہے۔جیسا کہ حضور علیہ السلام ﷺ سے ثابت ہے،مومن کو اعتقاد رکھنا چاہئے۔کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتے۔یہی ثابت ہے۔اگر وہ یہ راستہ اختیار نہیں کرے گا۔تو آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کو جھٹلانے والا ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وثنا میں وارد ہوئی ہیں اور انکی صداقت کی شہادت دیتی ہیں اور انکے جنتی ہونے کی شہادت دیتی ہیں۔اس پر اعتقاد رکھنا چاہئے،کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتے۔اگر وہ ان سب چیزوں پر عمل پیرا نہ ہوگا۔تو آیات واحادیث کو جھٹلانے والا ہوگا۔

اگر وہ کہے کہ یہ آیات کریمہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ہیں اور السابقون فاسق اور مرتد ہیں تو پھر پوچھا جائے کہ وہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کون ہیں؟جن کی شان آیات اتری ہیں۔

کیا وہ مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں؟کیا وہ اپنے ناموں سے مشہور ہیں؟

کیا وہ کثیر ہیں یا قلیل؟کیا ان میں خلفائے راشدین،عشرہ مبشرہ،اہل بدر واُحد اور بیعتِ رضوان والے بھی شامل ہیں یا نہیں؟

اگر وہ کہے کہ وہ کثیر ہیں،اور یہ مذکور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں شامل ہیں،تو اس پر لازم ہے کہ انکی پاکدامنی بیان کرے۔جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ورنہ وہ کتاب وسنت کو جھٹلانے والا ہوگا۔اور ان آیات کو بھی جھٹلانے والا ہوگا،اگر وہ کہے کہ وہ صرف پانچ یا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں،جیسا کہ رافضیوں میں مشہور ہے۔پھر اسے پوچھا جائے گا،کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا؟اگر وہ کہے سرکارِ ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے،تو اس سے یہ پوچھا جائیگا،کہ اللہ جل جلالہ نے امت محمدیہ کے بارے ارشاد فرمایا!

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (القرآن)

تم لوگوں کی بھلائی کیلئے بہترین امت ہو۔

ایک عقل مند آدمی اس بات پر کیسے یقین کرسکتا ہے۔ کہ

ا---امت محمدیہ بہترین امت کا درجہ رکھتی ہو۔

۲--- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ اس امت کی اصلاح کیلئے ۲۳ سال تک اسمیں موجود رہے ہوں۔

۳---اس امت کو قرآن پاک اور احکام شرعیہ کی تعلیم بھی دی ہو۔

پھر آپ ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب مرتد ہو گئے ہوں، سوائے پانچ یا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے۔

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے، کہ یہ بہترین امت نہیں بلکہ بدترین امت ہے۔ باوجودیکہ اللہ جل جلالہ نے قرآن پاک میں اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ مین ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وثناء فرمائی ہے۔ اور یہ مدح وثنا عمومی طور پر بھی ہے، اور خصوصی طور پر بھی، کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر بھی مدح وثنا کی گئی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے، انکے ساتھ بغض رکھنے، اور تنقیصِ شان کرنے سے امت کو ڈرایا ہے۔ اگر مخالفین اور معاندین کی یہ بات مان لی جائے تو حضور علیہ السلام ﷺ کے تمام ارشادات عالیہ کا جھوٹ ہونا لازم آئیگا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بے شک حضور علیہ السلام جھوٹ اور تمام محرمات ومکروہات سے معصوم ہیں۔ اور صرف پانچ یا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا باقی سب کا مرتد ہو جانا، تو اللہ جل جلالہ کے قول کو بھی جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہترین امت کہا ہے۔ اور امت کا اطلاق ان پانچ یا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تو صادق نہیں آتا۔ اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے اس ارشاد پاک کو بھی خلاف حقیقت ماننا

پڑتا ہے۔ جسمیں انہوں نے فرمایا ہے کہ "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"،

اگر شیعہ اپنے اعتقادات پر پختہ رہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عائد کردہ الزمات سے برأت کا اعلان نہ کرے، تو اسکے ساتھ مناظرہ ترک کردیا جائے۔ اور بلکہ اس کے ساتھ مخاطبت بھی ترک کردی جائے۔ کیونکہ وہ بے بصیرت بھی ہے، اور ان اعتقادات کی وجہ سے ایمان سے بھی خارج ہوگیا ہے۔

ہر حاکم پر لازم ہے کہ اس اہانت کی وجہ سے اس سے حسب طاقت انتقام لے۔ اگرچہ قتل کا حکم کرنا پڑے۔ بیشک جو پانچ یا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرتد سمجھتا ہے۔ وہ حقیقتاً مستحق قتل ہے۔ اور اسمیں شریعت کا ابطال لازم آتا ہے۔ کیونکہ شریعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ قرآن پاک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔ جن آیات کریمہ اور احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وثنا بیان کی گی ہے۔ ان کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اگر شیعہ جیسا شخص ان ضروریات دین کے انکار کی وجہ سے قتل کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔ تو پھر اور کون قتل کا مستحق ہوگا۔

پس جب وہ اعتراف کرے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں آئی ہیں، وہ حق ہیں، اور یہ تمام یا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے ہیں پس جن میں خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اہل بدر واُحد او بیعت رضوان والے شامل ہیں، تو اسے چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان الزامات سے بری قرار دے جنکا وہ اعتقاد رکھتا ہے۔

فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور استحقاق خلافت پر مناظرہ

اس مناظرے میں بھی دونوں فریقوں کا کسی ایسی مشترکہ بنیاد پر اتفاق ہونا چاہئے، جسمیں وہ اختلاف کی صورت میں رجوع کرسکیں۔ مثلاً کتاب اللہ، سنت صحیحہ، اجماع اور قیاس۔ سنت صحیحہ سے مراد وہ سنت ہے جسے مشہور اور ثقہ ائمہ حدیث نے صحیح قرار دیا ہو، اور اس سے مراد وہ ائمہ ہیں۔ جو شرق وغرب میں علم ومعرفت اور پرہیز گاری میں اونچا مقام رکھتے ہوں۔

رُواۃ میں ثقہ اور غیر ثقہ کی تمیز کرسکتے ہوں۔ اور جنہوں نے اپنی زندگیاں علمِ حدیث کے حصول کیلئے وقف کررکھی ہوں، اور تدوین حدیث کیلئے مشارق ومغارب کا سفر کیا ہو، اور

حدیث صحیح، ضعیف اور موضوع وغیرہ کی اچھی طرح معرفت رکھتے ہوں۔ اور یہ سب چیزیں تاریخ، سیرۃ اور طبقات علماء میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گی ہیں۔ اور ان ائمہ سے مراد وہ ائمہ ہیں۔ جنہوں نے فن اسماء الرجال میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور ان تصانیف میں انہوں نے عہدوار رواۃِ حدیث کی صفات، تاریخِ پیدائش ووفات اور علم وفضل میں انکے مرتبے کا تعیّن بھی کیا ہو، اور یہ بھی بتایا ہو کہ ان میں سے کس کی روایت قابل قبول ہے، اور کس کی نہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان تمام چیزوں کی وضاحت بڑی تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔

آغاز مناظرہ

جب مناظرہ شروع ہو جائے تو روایات میں صرف وہ قول قبول کیا جائے، جسے ائمہ عارفین نے قبول کیا ہو، مجہول راوی کی روایت ہرگز قبول نہ کی جائے۔ اور نہ ہی ایسی روایت قبول کی جائے، جس کے ضعف اور عدم قبول کا حکم ائمہ کرام کر چکے ہوں۔ جرح وتعدیل میں صرف ائمہ عارفین کا قول ہی قبول کیا جائے۔ اور جسے حدیث کی معرفت نہ ہو یا ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کا ذکر نہ کیا ہو اور رجال کی کتابوں میں اس کے حالات اور اوصاف کا علم نہ ہو ایسی صورت میں اسکی حدیث قبول کی جائے نہ قول نہ تصحیح قبول کی جائے۔ نہ تضعیف، نہ جرح قبول کی جائے نہ تعدیل۔ اگر اشتباہ واقع ہو جائے تو ائمہ کرام کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر ائمہ کرام نے اسکی عدالت معرفت اور ضبط کا ذکر کیا ہو، تو اس روایت کو تصحیح اسناد کے بعد قبول کیا جائے۔

اور اگر کتب ائمہ میں ان اوصاف کے بغیر ذکر کیا گیا ہو، تو اسکی روایت قبول نہ کی جائے۔ اور اگر سرے سے اس کا ذکر ہی موجود نہ ہو تو پھر اسکی کوئی روایت، قول، تصحیح، تضعیف، جرح اور تعدیل ہرگز قبول نہ کی جائے۔

جب فریقینِ مناظرہ اس اصل (مندرجہ بالا) پر اتفاق کرلیں۔ تو انکے درمیان ہونے والی گفتگو مناظرہ سمجھی جائیگی۔ اور اس میں کتاب سنت اجماع اور قیاس سے دلائل دیئے جائیں گے۔ اور اساتذہ ائمہ حدیث کی کتب مشہورہ سے استدلال کیا جائے گا۔ اور اگر اس اصل پر اتفاق نہ ہو تو پھر مناظرہ ممکن نہیں ہے۔

جب مناظرہ شروع ہو جائے تو سنی مناظر کو کتاب وسنت سے دلائل پیش کرنے

چاہییں۔ جو فریقِ مخالف پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نزاہت کو ماننا لازم کردے۔ اسکے بعد احادیثِ مبارکہ سے دلائل لانے چاہییں۔ جب سنی قرآن پاک سے اپنے مخالف پر الزام عائد کرے تو حدیث کی طرف کم متوجہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ قرآنی دلائل کی موجودگی میں احادیث پیش کرنے سے فائدہ مند نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، اسی طرح بحث سے پہلے بصورت اختلاف مرجع مقرر نہ کیا جائے، تو پھر بھی بحث نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شیعہ حضرات اپنے مقصد کے حصول کیلئے جو اسناد پیش کرتے ہیں۔ وہ عندالتحقیق لاحاصل اور مبنی بروہم ثابت ہوتے ہیں۔ وہ ایسے جھوٹ اور بے بنیاد باتوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جو عندالتحقیق پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتے۔

اہل سنت کے پاس اپنے اعتقادات کی حقانیت کیلئے ایسے دلائل ہیں، جو ائمہ ثقات کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر صحیح اسناد کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اوران دلائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے کی ہرگز ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔ اور شیعہ حضرات جن مشتبہ اسنادات سے اپنے اعتقادات پر سند لاتے ہیں۔ ان کو صرف وہی قبول کرے گا۔ جو پرلے درجے کا جاہل اور ائمہ حدیث کی مستند کتب سے ناواقف ہو۔ جو اختلاف کے وقت مرجع بنتی ہیں۔

صاحبِ معرفت عالمِ دین ان تمام دلائل کے مقابلے میں واضح دلائل و براہین پیش کرتا ہے۔ جو شیعہ حضرات اہل سنت کے خلاف بطور سند پیش کرتے ہیں۔ پس عاقل کو چاہئے۔ کہ دوران مناظرہ اپنے آپ کو ان کے بعید از کار اور نا قابل اعتماد دلائل کے رد میں تھکا نہ دے، جبکہ اس نے تمہید میں اسنے اس بنیاد کا تعین کرلیا ہو، جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

مناظر پر لازم تھے، کہ قرآن وحدیث کے معانی میں اختلاف کی صورت میں مشہور ائمہ تفسیر کی طرف رجوع کرے۔ جو علم ومعرفت میں مرجع کا مقام رکھتے ہوں۔ قرآن وحدیث کے معانی میں اپنی رائے کو دخل نہ دے، کیونکہ آیات واحادیث کے ظاہری معانی کو ائمہ ثقات پر پیش کئے بغیر اختیار کرنا اور ان پر اعتماد کرنا، کفر کی بنیادوں میں ایک بنیاد ہے۔ اسکی صراحت بڑے ائمہ نے فرمادی ہے۔ ان میں سے امام سنوسی نے ام البراھین کی شرح میں صراحت کر دی ہے۔ قرآن وحدیث کی تفسیر اور شرح اپنی رائے سے نہیں کرنی چاہے۔ جب تک معتبر ائمہ کرام سے منصوص نہ ہو۔

لازم ہے کہ کتاب مبین اور احادیث کریمہ کے وہی معانی اختیار کئے جائیں، جو ائمہ مجتہدین سے منقول ہوں۔ ہم ہرگز اس لائق نہیں ہیں، کہ کہیں یہ آیہ کریمہ فلاں معانی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ حدیث فلاں پر دلالت کرتی تھی۔ کیونکہ ہم ائمہ مجتہدین نہیں ہیں۔ نہ ہم اہل اجتہاد سے ہیں۔ اور نہ ہی اہل استنباط سے ہیں۔ حضرات علمائے کرام نے فرمایا! کہ اجتہاد کا مرتبہ ائمہ اربعہ کے بعد منقطع ہو گیا ہے۔

ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا نہ رہا، جس میں مطلقاً اجتہاد کی اہلیت موجود ہو۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے، کہ امام جریر الطبر ی نے مجتہد مطلق کا دعوٰی کیا تھا۔ جو چوتھی صدی کے عظیم امام تھے۔ لیکن حضرات علمائے کرام نے ان کے دعوٰی اجتہاد مطلق کو ہرگز تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ وہ علوم دینیہ کے محقق اور عارف تھے۔ جب اتنے عظیم امام کو مطلق اجتہاد کے مرتبے پر تسلیم نہ کیا گیا تو ماوشما کی کیا حیثیت ہے کہ اس مرتبہ عظیمہ کا دعوٰی کریں۔

ان ائمہ اربعہ کے عہد سے دوری اور ضعف علم کے باعث یہ مرتبہ گرانقدر ہو کر رہ گیا۔ مجتہد مطلق کی شرائط نہایت کڑی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

مجتہد مطلق کیلئے لازم ہے کہ وہ ناسخ منسوخ محکم متشابہ، مجمل مبین کے علوم سے واقف ہو، علاوہ ازیں وہ احادیث مبارکہ انکی اقسام صحیح ،حسن، ضعیف، منسوخ، فن اسماء الرجال اور ائمہ مقبول کا علم رکھتا ہو، علاوہ ازیں وہ اقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے پوری واقفیت رکھتا ہو، قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے ماخذ، کیفیتِ استنباط اور جن اقوال پر انکی بنیاد ہے انکا پوری طرح علم رکھتا ہو، اور ان بنیادوں کو اچھی طرح جانتا ہو، جن کو علماء نے اجتہاد کی بنیاد قرار دیا ہے۔ان تمام امور کا ان زمانوں میں یکجا ہونا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ آجکل علمی ضعف اور غلبہ جہالت بہت عام ہے۔ان زمانوں کے علماء کو جائز نہیں کہ وہ اجتہاد اور استنباط کرنے بیٹھ جائیں، بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ ائمہ مجتہدین کی اتباع کریں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ فقہی احکام تفسیر قرآن اور احادیث نبویہ کی شرح میں ائمہ مجتہدین کیا کہتے ہیں۔ اگر ہم اس بات کو ملحوظ نہ رکھیں گے، تو گمراہی ، بیدینی اور فکر کی کجی ہمارے راستے میں حائل ہو جائیگی۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اکثر آیات قرانیہ اور احادیث شریفہ میں باہم تعارض ہوتا ہے۔اور مجتہدین کے علاوہ کسی کو ان باریکیوں کی اطلاع نہیں ہوتی ،سوائے اس کے کہ ائمہ مجتہدین سے منقول ہو، بعض چیزیں منسوخ ہوتی ہیں۔اور بعض مخصص ہوتی ہیں۔ بعض مجمل اور بعض متشابہ ہوتی ہیں۔ان سب چیزوں کی بغیر مجتہدین کے کسی کو معرفت حاصل نہیں ہوتی۔اور ان حضرات ائمہ سے استفادہ کئے بغیر ہمیں انکی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ائمہ مجتہدین سے استفادہ کئے بغیر ظاہری طور پر کسی مسئلہ کو اخذ کرنا ہی کفر کے اصولوں میں سے پہلا اصول ہے، بعض قرآنی آیات اور احادیث کو ائمہ کرام ایک خاص معانی پر محمول کرتے ہیں۔اسلئے ہمیں اقوال ائمہ کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔قرآنی آیات اور احادیث میں جب تعارض واقع ہو تو اس تعارض کو اٹھانا ائمہ کرام کا کام ہے۔

اب ہم ایسی احادیث بیان کریں گے، جن میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔لیکن ائمہ کرام نے انکے وہ معانی بیان فرمائے ہیں۔جن سے تعارض رفع ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر 1

عَلِیٌّ سَیِّدُ الْعَرَب (رواہ الحاکم فی صحیحہ عن ابن عباس)

اگر اس حدیث کو ظاہر پر معمول کیا جائے،تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر افضلیت ثابت ہو جائیگی،اکثر مخالفین اس حدیث شریف کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کریں گے۔اور خلافت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھے گا،حالانکہ احادیث کثیرہ سے یہ بات ثابت ہے، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الخلق بعد الانبیآ علیہم السلام ہیں،اور انکو خلافت میں تقدم حاصل ہے،اس کی تفصیل علمائے اہل سنت کی کتابوں میں مبسوط انداز میں بیان کی گئی ہے۔لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں بلکہ محققین کے نزدیک اس سے وہ سیادت مراد ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک کی وجہ سے حاصل ہے۔اس طرح یہ تعارض رفع ہو گیا۔

حدیث نمبر: 2

سُدُّوْا کُلَّ خَوْخَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا خَوْخَۃَ اَبِی بَکْر (بخاری شریف)

علمائے اہل سنت نے فرمایا!

اس میں اشارہ ہے کہ ابوبکر صدیق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کیلئے کھڑکی کو بند فرمانے کا حکم نہ دیا تا کہ لوگوں کو نماز پڑھانے

کیلئے اس کھڑکی کے ذریعے مسجد میں تشریف لانا انکے لیے سہل اور آسان ہو۔تو خلیفہ وہی ہوتا ہے، جو نماز پڑھائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس شخص کو امیر جماعت مقرر فرماتے تھے، اسے نماز پڑھانے کا حکم بھی دیتے تھے۔

اور جس حدیث پاک میں سرکارِ دوعالم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ مسجد کے تمام دروازے بند کردو سوائے دروازہ علی کے، یہ حدیث بھی سُدُّوْا کُلَّ خَوْخَةٍ فِي الْمَسْجِدِ اِلَّا خَوْخَةَ اَبِي بَكْر کے معارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔اگر تعارض کی شرط مان بھی لی جائے، تو پھر بھی پہلی حدیث مُرُوْا اَبَابَكْر اَنْ يُّصَلِّي بِالنَّاس۔سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض موت کے وقت کی ہے۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث پاک سُدُّوْا كُلَّ بَابٍ فِي الْمَسْجَدِ اِلَّابَابَ عَلِيّ (مسند امام احمد بن حنبل) کی تفصیل یہ ہے۔کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حجرہ شریف سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حجرہ مبارکہ سے ملا ہوا تھا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کا کوئی علیحدہ دروازہ نہ تھا۔سوائے دروازہ مسجد کے اسلئے انکے باب کا کھلا رہنا ایک ناگزیر ضرورت تھی۔جس کے بارے میں سرکارِ دوعالم ﷺ کا حکم موجود ہے۔کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا سب دروازے بند کردو۔اور حضرت ابوبکر صدیق کے گھر کا دروزاہ علیحدہ تھا۔اسکو مسجد سے گذر کر آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔اسکے باوجود کھڑکی کو کھلا رکھنے کا حکم دیا گیا۔تا کہ حضرت ابوبکر صدیق کو مسجد میں نماز پڑھانے کیلئے آنا جانا سہل ہو جائے اور انہیں کوئی اور راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔انکے ذکر سے طوالت پیدا ہو جائیگی، اگر

اسی طرح قرآنی آیات کے معانی ائمہ دین پر پیش کئے بغیر اخذ کر لئے جاتے ،تو بہت سی آیات قرآنیہ میں اشکال پیدا ہو جاتا۔لیکن جب ہم بظاہر متعارض آیات قرآنیہ ائمہ ھدیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔اور بظاہر متعارض آیات قرآنیہ اپنے اپنے محل پر آجاتی ہیں۔اسکی وضاحت کیلئے ہم قرآن پاک کی دو(۲) آیات پیش کرتے ہیں ۔جن میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ------1

اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِراطٍ مُّسْتَقِیْم -----2

ان آیات کریمہ میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے اور یہ تعارض ائمہ کرام نے رفع فرمادیا۔

پہلی ایت کریمہ لاتھدی---کا مطلب یہ ہے،اے ہمارے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام آپ ان کیلئے ہدایت پیدا نہیں کر سکتے۔کیونکہ ہدایت کا خالق تو اللہ جل جلالہ ہے ،اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تو لوگوں کی اللہ عزوجل جل جلالہ کی طرف راہنمائی کرے گا،اور انہیں ایمان کی طرف بلائے گا۔لتھدی والی ایت میں ھدایت کی طرف راہنمائی اور بلانا ہے۔

قرآن میں ایسی کثیر مثالیں موجود ہیں۔پس ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ائمہ کے کلام سے عدول کر کے اپنی رائے پر عمل کریں۔پس جس نے اس پر عمل کیا تو وہ ہلاک ہو جانے والے گمراہوں میں سے ہے۔پس جو مومن درجہ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اسے چاہئے۔کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید اختیار کرے۔جن کے مذاہب پر امت کا اجماع ہے۔اور وہ حضرات یہ ہیں۔امام ابوحنیفہ النعمان۔امام مالک بن انس،امام شافعی محمد

بن ادریس اور امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین یہ ائمہ اربعہ اور انکی متبعین اہل سنت و جماعت کہلاتے ہیں۔تابعین کے زمانے میں مذاہب کی تعداد کثیر تھی،اور ان مذاہب کے ماننے والوں کی بھی تعداد کثیر تھی۔مثلاً مذہب اوزاعی،مذہب سفیان ثوری،مذہب سفیان بن عیینہ ،مذہب اسحاق بن راھویہ وغیرھم۔

لیکن سوائے مذاہب اربعہ کے باقی تمام مذاہب اور انکے قواعد کو آج کوئی نہیں پہچانتا۔جن پر ان مذاہب کی بنیاد رکھی گئی تھی۔بدیں وجہ آج مذاہب اربعہ کے سوائے باقی کسی مذہب کی تقلید کرنا درست نہیں،بخلاف مذاہب اربعہ کے ان مذاہب کو باقاعدہ مدون کیا گیا ہے۔جن قواعد پر ان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔انکا ذکر کیا گیا ہے۔اور صدیوں سے علماء کرام کی نظریں موجود ہیں۔بلکہ ان مذاہب کی صحت پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔کیونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔کہ لا تجتمع امتی علیٰ ضلال (ابن ماجہ) اور امام شافعی نے اجماع کو قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کی رو سے حجت قرار دیا ہے۔

سورۃ نسآء آیت نمبر 115

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

ترجمہ:۔ اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اسکے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

اور صرف اہل سنت و جماعت کا اجماع ہی قابلِ قبول ہوگا۔کسی اور مذاہب کا اجماع قابل قبول نہ ہوگا۔تمام گمراہ اور بدعتی فرقوں کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔کیونکہ

اہل سنت و جماعت کا فرقہ ہی وہ جاری فرقہ ہے، جس پر سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب فرقے دوزخی ہوں گے۔ سوائے اس فرقہ کے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا ہوں جب تو غور کرے گا، تو اہل سنت کے سوائے کوئی فرقہ نہ پائے گا، جس نے شریعت کو مدون کیا ہو، اس کی وضاحت کیلئے کتابیں لکھی ہوں، اور تحقیق کی ہو۔ کتب تفسیر حدیث فقہ نحو وغیرہ علوم منقولہ، معقولہ میں بہت کام کیا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر انکی کوئی تالیف نظر سے گزرے گی۔ تو بالکل انوکھی ہوگی۔ انکی کتابیں جھوٹ اور قبح سے بھری پڑی ہیں۔

شریعت مطہرہ اور انکے ناقلین کے ابطال کا تقاضا کرتی ہیں، اور جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمایا!

عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِالْاَعْظَمِ فَاِنَّمَا يَاكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ

(ابن ماجہ، احمد بن حنبل)

اور سواد اعظم کا مطلب ہے۔ بہت بڑی جماعت بلاشک وشبہ وہ اہل سنت و جماعت ہی ہے۔ تجھ پر لازم ہے۔ کہ تو اہل سنت و جماعت سے جدا نہ ہو، اگر ایسا کرے گا۔ تو ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد علماء کرام نے مجتہدین کی درجہ بندی کی ہے۔

مجتہد مطلق   مجتہد مذہب   مجتہد فتوی

ا۔ مجتہد مطلق کی تعریف:۔

وہ مجتہد ہوتا ہے۔ جسے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے تمام مسائل

استنباط کرنے کا ملکہ اور اہلیت ہو۔

مثلاً ائمہ اربعہ

۲۔مجتہد مذہب کی تعریف:۔

وہ مجتہد ہے، جو اپنے امام کے قواعد واصول کے مطابق کتاب وسنت سے ان مسائل کا استنباط کرتا ہے۔جن پر امام کی کوئی نص موجود نہ ہو۔اور بعض مسائل میں، وہ خود بھی براہ راست استنباط کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔لیکن تمام مسائل میں استنباط کی قدرت نہیں رکھتا۔

مثلاً امام ابو یوسف اور امام محمد امام اعظم کے صاحبین امام مزنی اور امام ربیع امام شافعی کے صاحبین اور اسی طرح باقی ائمہ کرام کے اصحاب۔

اگر یہ فقہاء تمام مسائل کو کتاب وسنت سے اخذ کر سکتے۔تو پھر ان کا اجتہاد مطلق ہوتا۔پھر ان فقہائے کرام کو اپنے ائمہ کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔مجتہد مطلق اور مجتہد مذہب میں یہی فرق ہے۔

۳۔مجتہد فتوی کی تعریف:۔

ان کو اصحاب ترجیح کہتے ہیں اس لئے کہ یہ ائمہ مجتہدین کے مختلف اقوال کو ایک دوسرے پر ترجیح دے سکنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔اگر چہ یہ علم ومعرفت میں مکمل ہوتے ہیں۔لیکن مجتہد مذہب کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔اور یہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔مثلاً رافعی ،نووی، ابن حجر رملی جو انکے رتبے کو نہیں پہنچ سکتے ،ان کیلئے ترجیح جائز نہیں ۔ہاں صرف نقل کرسکتے ہیں۔ہمارے شیخ ان لوگوں پر تعجب کرتے تھے۔جو اس دور میں اجتہاد اور کتاب

وسنت سے مسائل اخذ کرنے کا دعوٰی کرتے ہیں۔اور شیخ فرمایا کرتے تھے۔کہ ان کا اپنے آپ کو اس پر حمل کرنا درحقیقت جہل مرکب ہے۔انمیں مجتہد فتوٰی کی صلاحیت نہیں ہے۔چہ جائیکہ وہ مجتہد مذہب یا مجتہد مطلق کی شرائط کو پورا کرتے ہوں۔

صرف شیطان نے انکو دھوکہ دیا اور وہ سواد اعظم سے جدا ہوگئے۔اور خبطی ہوگئے۔انہوں نے ائمہ اربعہ کے اجماع کو بعض مسائل میں توڑ دیا۔جب انکو آیات واحادیث میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔تو وہ شروح حدیث اور کتب تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے کہا ہوتا ہے اسے پکڑ لیتے ہیں، اور اس میں ان کی تقلید کرتے حالانکہ کتب تفسیر کے مؤلفین اور احادیث کے شارحین جن کے اقوال کو انہوں نے بطور دلیل لے لیا۔سب کے سب مقلدین میں سے ہیں۔یہ نئے مجتہدین ائمہ اربعہ کی تقلید پر تو راضی نہ ہوئے۔لیکن ائمہ اربعہ کی اتباع کرنے والوں کی تحقیق پر راضی ہوگئے۔یہ سب باتیں ان کی جہالت کی دلیل ہیں۔اگر ان لوگوں نے علم کی کتابیں پڑھی ہوتیں، تو اپنی قدر کو پہچان لیتے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم

پس حکمرانوں پر واجب ہے۔(اللہ ان کو خیر کی توفیق دے) کہ ان لوگوں کو اس خبط سے روکیں۔اور انکو سواد اعظم میں داخل ہونے کا حکم دیں۔اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔جب ائمہ اربعہ کے مقلدین کو مبتدعین کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشیع کرنے کا شبہ پیدا ہو۔اور وہ مناظرہ کا ارادہ کریں تو انکو پہلا الزام یہ دیں۔کہ ائمہ اربعہ جن میں سے تمہارا امام بھی ہے۔سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزگی اور انکی فضلیت کے اسی طرح قائل ہیں جس ترتیب سے ان کی خلافت ہے۔پس تم پر لازم ہے کہ تم

اپنے امام کی اتباع کرو۔ اور تقلید کرو۔ اگر ایسا کرنے سے کچھ فائدہ نظر نہ آئے، تو پھر قرآن وحدیث سے ان چند اشیاء پر حجت قائم کرے۔

اہل سنت وجماعت مناظر کو متنبہ رکھنا چاہیے۔ جبکہ وہ کسی بدعتی کے ساتھ مناظرہ کررہا ہو۔ اور ایسی باتوں کو ذہن میں حاضر رکھے، جن سے وہ اپنے مخالف کو الزام دینے کیلئے، مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرنا کفر ہے۔ کیونکہ اسکا ذکر قرآن میں آگیا ہے۔

سورۃ توبہ آیت نمبر 40

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ :۔ جب اپنے یار سے فرماتے تھے۔ غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہاں صاحب سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی کا انکار بھی کفر ہے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے سورۃ نور میں دس آیات انکی برات میں نازل فرمائیں۔ پس جس نے انکی برات کا انکار کیا وہ کافر ہے، ہرگز جائز نہیں۔ کہ ان کے حق میں کوئی ایسی بات کرے جو نقص کا تقاضا کرتی ہو۔ بلکہ آپ کی محبت اور آپ پر راضی ہونا واجب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی خود ثنا بیان فرمائی۔ اور سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمایا۔ ان بی بی صاحبہ سے اپنا نصف دین سیکھو۔ اللہ جل جلالہ نے خبر دی کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو آپکی بیوی بنایا ہے۔ اور یہ دنیا وآخرت میں آپکی بیوی ہونگی۔ یہ سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ جن میں طعن نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان سے بلاوجہ تعرض کرنا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی

تکذیب کرنا ہے۔ جن لوگوں نے ام المؤمنین کی برأت کی آیات پر غور کیا ہے۔ وہ اس کے معانی سمجھ گئے، اور ان کو اس بات کا علم ہوگیا۔ کہ یہ صدیقہ ہیں۔ اور صدیق کی بیٹی ہیں، اور اللہ جل جلالہ کے ہاں انکی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اور بعض آیات میں جو انکی برأت میں نازل ہوئیں۔ ان میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا۔

سورۃ نور آیت نمبر 26

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ٥

ترجمہ:۔ اور ستھریاں ستھروں کیلئے اور ستھرے ستھریوں کیلئے وہ پاک ہیں۔ ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں، ان کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

اور تہمت لگانے والوں کو تہدیداً فرمایا۔

سورۃ نور آیت 23 تا 25

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ٥

ترجمہ:۔ بے شک وہ جو عیب لگاتے ہیں۔ انجان پارسا ایمان والیوں کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان پر گواہی دیں گی۔ انکی زبانیں اور انکے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ کرتے تھے۔ اس دن اللہ انھیں انکی سچی سزا پوری دیگا۔ اور

جان لیں گے۔ کہ اللہ ہی صریح حق ہے۔

اکثر مفسرین نے فرمایا جن میں زمخشری بھی ہیں۔ جس نے قرآن میں غور کیا، اور اس کا اتباع کیا، وہ کوئی ایسی آیت تہدید نہ پائے گا، جس میں اس آیت جیسی تہدید ہو۔ اور کوئی تخویف والی آیت نہ پائے گا۔ جس میں اس آیت جیسی تخویف ہو۔ اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رفعت شان پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اور انکی تعظیم درحقیقت حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے۔ اور یہ بات جان لے کہ خلفائے اربعہ کی فضلینت انکی خلافت کی ترتیب کے حساب سے ہے۔

یہ اکثر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ یہ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور علمائے اہل بیت سے صحیح اور متواتر طریق سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک جم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں برسر منبر کوفہ شہر میں فرماتے تھے۔ کہ حضور علیہ السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ابوبکر و عمر ہیں اور یہ تمام باتیں ائمہ کی کتابوں میں شرح وبسط کے ساتھ درج ہیں۔ اور اس بات کا انکار کرنا محض عناد اور ڈھٹائی ہے۔

جب مخالف مناظر اسکو بیان کرے، تو سنی کو لازم ہے، کہ اس کیلئے اسکی وضاحت کرے چونکہ یہ ائمہ کی کتب میں اسی طرح مذکور ہے۔ پس اگر یہ سوال کیا جائے، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حقیقتاً خلیفہ ہیں۔ تو یہ بات اہل سنت و جماعت کے نزدیک کتاب وسنت اور ادلّہ کثیرہ کے ساتھ ثابت ہے۔ ان ادلّہ میں سے بعض صریح اور بعض کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعتراف ثابت ہے۔ کہ ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت حقیقت ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ایک جم غفیر نے اسے نقل کیا ہے۔ یہاں

تک کہ یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہوگئی ہے۔اس کا انکار محض عناد اور ڈھٹائی ہے۔جب مخالف اس کے خلاف بیان کرے تو سنی عالم دین کو پوری حقیقت بیان کرنی چاہئے، کیونکہ یہ ائمہ کی کتب میں مذکور ہے۔سنی کے لئے لازم ہے، کہ وہ تقیہ کے ابطال پر جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے دلائل قائم کرے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بری ہیں ۔کیونکہ تقیہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا، انکی طرف کمزوری اور بزدلی کی نسبت کرنا ہے۔

حاشا وکلا ان کی طرف تقیہ کی نسبت کی جائے۔بلکہ تقیہ کی نسبت تمام نبی ہاشم پر وارد ہوتی ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت قوت اور غلبہ حاصل تھا۔اگر وہ اصحاب ثلاثہ کے وقت خلافت کا ارادہ کرتے یا ان کے پاس کوئی نص موجود ہوتی یا وہ یہ سمجھتے کہ وہ اصحابہ ثلاثہ سے خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، تو وہ ضرور ان سے جھگڑا کرتے اور دیکھ لیتے کہ کون انکی مدد کیلئے کھڑا ہوتا۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حق پہچانا اور حق کا اتباع کیا۔جیسا کہ احادیث کثیرہ صحیحہ میں ثابت ہے۔اور وہ تقیہ کی بناء پر اس حق کو چھوڑ نہ دیتے ،جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں۔اگر انکے پاس کوئی نص موجود ہوتی تو اسے ضرور ظاہر کرتے۔اور ہرگز نہ چھپاتے ،جب صحابہ ثلاثہ کی خلافت ختم ہوگئی۔تو انہیں حق خلافت پہنچا۔تو پھر انکے ساتھ لڑائی اور قتال کیا، جیسا کسی اور نے نہ کیا۔اس حق کو تقیہ کی بناء پر چھوڑ نہ دیا۔آپ کی طرف تقیہ کی نسبت کمزوری اور تحقیر ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔اگر تقیہ کی نسبت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح مان لیا جائے۔تو انکی بات پر کوئی اعتماد نہ رہیگا۔آپ نے حقیقی باتیں کیں، یا کوئی کام کیا تو اسمیں تقیہ کا احتمال ہے۔ان سے ہرگز ایسا نہ ہوا، اللہ جل جلالہ

رافضیوں کا برا کرے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کیطرف بھی تقیہ کی نسبت کرنے کی جرأت کی۔ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر واضح دلائل پیش کیے۔ جن میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات علم ضروری کی بنیاد پر معلوم تھی۔ کہ امیر وہی ہوسکتا ہے۔ جو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اس حدیث سے ان لوگوں نے یہی سمجھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق ہیں۔ یہ حدیث مستفیض اور متواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ اسکا انکار ممکن نہیں ہے۔

یہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ مختلف طرق صحیحہ سے ثابت ہے۔ مخالفین یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تقیۃً ایسا فرمایا تھا۔ اللہ عزوجل انہیں ہلاک کرے، کہاں بھکے جا رہے ہیں۔ اسکے علاوہ اہل سنت و جماعت کے پاس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلے خلیفہ ہونے کے بہت زیادہ دلائل ہیں۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ تو سرکارِ دوعالم ﷺ کا انہیں نماز کا حکم دینا ہی کافی ہے۔ اور آپ ﷺ کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہے۔ اور حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ اور یہ حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔

کہ سب لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کرلیا۔ کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صحیح نہ مانا جائے تو اس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو خاطی ماننا پڑتا ہے۔ اور امت محمدیہ کا ضلالت پر جمع ہو جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اکثر احادیث کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لَاتَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالٍ اور قرآن پاک کی تکذیب بھی لازم آتی ہے، جس قرآن نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچا ہونے کی شہادت دی ہے۔ اور فرمایا اولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اور ان حضرات کا حقدار جنت ہونا بھی غلط ماننا پڑتا ہے۔ اور ان بد دین لوگوں کے عقیدے کے مطابق بہت زیادہ محذورات کو لازم ماننا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ شریعت کا ابطال بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ ساری شریعت ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت پہنچی ہے۔ اسطرح قرآن پاک میں بھی شک پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک بھی ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے پہنچا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ بدعتیوں کا مذہب بالکل کھلی ضلالت اور خیالات واہیہ پر بنیاد رکھتا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں عبیدیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بدعتی گروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کر کے درحقیقت پوری شریعت مطہرہ پر اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ شریعت ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت پہنچی ہے۔

اور اہل سنت و جماعت کا مذہب مذہبِ حق ہے۔ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی مذہب حق پر تھے۔ جسمیں نہ افراط تھی، نہ تفریط۔ اور نہ ہی اسمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن ہے۔ اور نہ کتاب وسنت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور ان بدعتیوں کے مذہب کے مقابل اہل سنت کے مذہب پر یہ آیہ کریمہ صادق آتی ہے۔

مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشّٰرِبِیْنَ

جیسے جانور کے جسم سے خالص دودھ خون اور گوبر کی ملاوٹ سے بالکل صاف

ہوتا ہے۔

جو آدمی اہل علم و معرفت ہو، اور اہل سنت اور مخالفین کے دلائل پر گہری نظر رکھتا ہو، تو اسکے سامنے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اسکی بصیرت کو اللہ جل جلالہ نے زائل نہ کر دیا ہو، جس نے احادیث کی کتب پر نظر کی اور بعثت سے لے کر وفات شریفہ تک سرکارِ دوعالم ﷺ کی سیرۃ طیبہ پر غور کیا ہو۔ اس آدمی نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حضرات شیخین کے مرتبے کو جان لیا ہو، وہ اس حقیقت کو پائے گا، کہ جناب کی بارگاہ میں حضرات شیخین کو بہت بلند مقام حاصل تھا۔ انہیں حضور کا خاص قرب حاصل تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ ان سے مشورہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں حضرات سرکارِ دوعالم ﷺ کے سامنے فیصلے بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور فتوے بھی دیتے تھے۔ اور بعض امور میں رجوع بھی کر لیتے تھے۔ جب آپ کوئی کام کرنا چاہتے یا اس کا حکم دینا چاہتے، دونوں یا ایک اس کام کے خلاف رائے رکھتا تو وہ جناب کی بارگاہ میں رجوع کرتے تھے۔ اور جناب رسالتمآب ﷺ ان دونوں یا ان میں سے ایک کے قول سے رجوع کر لیتے تھے۔ اگر ان حضرات کے اقوال درست نہ ہوتے تو سرکارِ ﷺ کبھی رجوع نہ فرماتے اور نہ ہی ان سے موافقت فرماتے۔ اس طرح کام کرنے والا اور اسکو مقرر رکنے والا دونوں خطا پر ہوتے۔ حضور ﷺ خطا کرنے اور خطا کو مقرر رکھنے سے معصوم تھے۔ اللہ جل جلالہ ان رافضہ کا ستیاناس کرے کہ جب ان پر اس قسم کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں کہ جناب نے تقیۃً حضرات شیخین سے موافقت کی تھی۔ اللہ جل جلالہ ان کو ہلاک کرے کہاں بھکے جا رہے ہیں۔

اور جناب کے بارے میں تقیہ کا قول کرنے سے لازم آتا ہے۔ کہ ان افعال

واقوال پر ہرگز یقین نہ کیا جائے۔اس سے سرکارِ کے ہر قول وفعل میں تقیہ کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔اور تمام شریعت اور اسکے احکام باطل ہوکر رہ جائیں گے۔اور یہ بات ہرگزنہیں کہنی چاہیے۔کہ جناب کا بعض معاملات میں ان سے رجوع کرنا اور موافقت کرنا جناب کی بے ادبی ہے۔اور انکے حکم کی مخالفت ہے۔کیونکہ دونوں حضرات شیخین سرکارِ دو عالم ﷺ کی رضاء ورغبت اور خوشی کو بخوبی جانتے بھی تھے۔اور یہ معاملہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔کہ سرکارِ کی بارگاہ میں ان حضرات کو بلند مرتبہ حاصل ہو۔

قرآن پاک کی کئی آیات حضرت عمر کی رائے کے مطابق اتریں۔اور حضرت عمر کی مخالفت پر اللہ نے عتاب فرمایا۔حضرت عمر نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں رائے دی۔جو کتب ائمہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

جب اللہ جل جلالہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی بنا کر بھیجا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی نصرت کیلئے کھڑے ہوگئے۔اور رسالت کی تبلیغ کیلئے آپ ﷺ کے مددگار رہے۔اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونیکی کی دعوت دیتے تھے۔اور جو سرکارِ دو عالم ﷺ سے تعرض کرتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسکو دفع کرتے تھے۔پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قریش کے ہاتھوں بہت تکالیف اٹھائیں،جیسا کہ کتب سیر سے واضح ہے۔

اور حضرت فاروق اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ کی نصرت کرنے والوں میں سب سے بڑے نصرت کرنے والے تھے۔آپ ﷺ اسلام لانے سے قبل جسطرح مسلمانوں پر سخت تھے،اسی طرح اسلام لانے کے بعد کفار قریش پر شدت فرماتے تھے۔یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کے اسلام لانے پر قرآن پاک میں فرمایا!

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اللہ جل جلالہ اور جولوگ اسلام لے آئے ہیں، وہ آپ ﷺ کیلئے کافی ہیں، آپ کو ان لوگوں کے بارے میں پرواہ نہیں کرنی چاہئے، جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کردی اور اس آیہ کریمہ کا نزول اسلام کیلئے زیادہ فضل کی دلیل بن گیا۔ جیسا کہ اس آیت کا صرف یہی مقصود ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے ہمیں مسلسل عزت اور غلبہ ملا، حضور ﷺ کی بعثت کے اوائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کم عمر تھے۔ اسلئے آغاز بعثت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصرت کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ اگر آپ کم عمر نہ ہوتے تو یقیناً مشہور موقعوں پر آپکی نصرت ضرور منقول ہوتی۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آغاز اسلام میں نبی سرکارِ دوعالم ﷺ کی مددگاری اور نصرت میں ممتاز تھے۔ بالخصوص جبکہ قریش مکہ مسلمانوں پر انتہائی سختی کرتے تھے۔ اسی طرح عشرہ مبشرہ کے باقی ماندہ اصحاب کو بھی اسی پر قیاس کرلینا چاہئے۔ اگر کوئی بادشاہ یا سلطان اسلام ہو تو بعض اس کی سلطنت کو مضبوط کرنے اور دشمن کے خلاف اسکی مدد کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سلطان کو غلبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ اسلام میں سبقت لے جانے والے حضرات نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی نصرۃ اور غلبے کیلئے کوشش نہ کی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کردیا۔

لیکن رافضی لوگ اللہ جل جلالہ انکا ستیاناس کرے، وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی قرابت کو

ملحوظ رکھتے ہیں، اور دیگر چیزوں سے غافل ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو نظر انداز کرتے ہیں۔ "مومن کے دل میں میری محبت اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کا بغض جمع نہیں ہوسکتے"

اور ان آیات واحادیث کو بھی جو ان حضرات کی شان میں آئی ہیں۔ یکسر نظر انداز کردیتے ہیں، اور اسطرح وہ پوری شریعت مطہرہ کو باطل قرار دیتے ہیں۔ جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت ہم تک پہنچی ہیں۔ اور اہل سنت نہ تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی قرابت کا حق ضائع کرتے ہیں، بلکہ انکی فضیلت کو مانتے ہیں، اور نہ ہی صحابہ کرام انکی صحبت اور مدد کا حق ضائع کرتے ہیں۔ جوانہوں نے جناب رسالتمآب ﷺ سے حاصل کیں۔

اور ہر حق والے کو اس کا حق دیتے ہیں۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں وارد ہونے والی آیات واحادیث ثابت ہوگئیں، اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلافات واقع ہوئے ان کو اجتہاد اور طلب حق پر محمول کیا۔ اور احسن ترین محامل اختیار کئے، اور احسن ترین مسلک اختیار کیا۔ اور اگر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک پر طعن کو روا رکھیں تو انکی شان میں وارد ہونے والی آیات واحادیث کی تکذیب لازم آتی ہے اور شریعت کو ترک کرنا لازم آتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے ہم تک پہنچی۔ اور فقہائے کرام نے ان سب کی عدالت کا حکم دیا۔ اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کردہ آیات احادیث کو قبول کیا۔ مؤرخین کے جھوٹ اور بدعتیوں کی نقل کردہ جھوٹی حکایات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور یہ سب اس گمراہ فرقہ کے اختلاف ہیں جن سے وہ مومنوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کینہ پیدا کرتے ہیں۔ انکی طرف کوئی توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے آیات واحادیث کی جو انکی شان میں واقع ہوئی ہیں۔ انکی تکذیب لازم آتی ہے۔ ہم صرف ان روایات کو لیں

گے، جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔اور معتبر ائمہ کرام نے ان کو روایت کیا ہے۔اسکے باوجود ہم انکے احسن ترین محامل کو تلاش کرتے ہیں۔اور انہیں ایسے اجتہاد پر محمول کرتے ہیں۔جسمیں درست اجتہاد کرنے والے کو دگنا ثواب ملتا ہے۔اور اجتہاد میں خطا کرنے والے کو ایک گنا ثواب ملتا ہے۔

اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تفاضل کا اعتقاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی سنی ہرگز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسا اعتقاد نہ کرے، جسمیں فاضل کے مقابلے میں مفضول کا نقص ثابت ہوتا ہو۔ایسا ہرگز نہ کرے۔بلکہ فضلیت کا اعتقاد اس طرح کرے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کمال اور فضل پر پہنچے ہیں۔کیونکہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے اور انکی مدد کی وجہ سے ان پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار چمک اٹھے۔حتی کہ بعد میں آنے والے تمام حضرات سے فضیلت میں زیادہ ہیں۔سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کریم میں ایک گھڑی گذارنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔اور یہ بات یہاں تک ثابت ہے کہ کوئی آدمی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور صحبت میں ایک لحظہ بھی رہا ہو۔اور خواہ وہ لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔جو ابھی تمیز کی حد کو نہ پہنچا ہو، مومن کو اس بات سے ڈرنا چاہئے۔کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی کے بارے میں نقص کا اعتقاد کرے۔یا انہیں برا بھلا کہنے کا اعتقاد رکھے، جیسا کہ رافضی بدعتی اعتقاد رکھتے ہیں "ایسا اعتقاد رکھنا" ایسے اعتقاد رکھنے والے پر لعنت واجب کر دیتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہا ،اس پر اللہ جل جلالہ اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

سبِّ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتکبین بخوبی جانتے ہیں۔کہ گالیاں دینا کوئی مامور بہ

نہیں ہے۔ نہ واجب ہے نہ مستحب۔ اگر اسے ترک کر دیں، تو اللہ عزوجل اسکے ترک کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔ اگر گالیاں دینا طاعت اور حکم خداوندی ہوتا، تو اللہ عزوجل ابلیس کو گالیاں دینے کا حکم دیتا۔

جو تمام مخلوق سے زیادہ بدبخت ہے۔ اور علاوہ بریں فرعون، ہامان، قارون اور دیگر کفار کو گالیاں دینے حکم دیتا۔ جو گمراہ اور سرکش تھے۔ کوئی اگر اپنی زندگی میں ان کو ایک دفعہ بھی گالی نہ دے، تو اللہ عزوجل اسے اس کے ترک پر نہ سزا دے گا۔ نہ سوال کرے گا۔ تو ان گالیاں دینے والے مبتدعین کا کیا انجام ہوگا۔ جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے ہیں۔ جنہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ اور شریعت مطہرہ کو سرکارِ کی امت تک پہنچایا۔

روایت کیا گیا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ساتھ مناظرہ کیا، جو بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے کا منکر تھا۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو کچھ تو کہتا ہے اگر صحیح ہے، تو میں بھی نجات پا گیا اور تو بھی۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں ،اگر وہ صحیح ہے، تو میں نجات پا گیا، اور تو نجات نہ پاسکا۔ دیکھو! میں دونوں صورتوں میں نجات پانے والا ہوں جبکہ تو نہیں وہ مناظر آپ کے سوال کا جواب دینے پر قادر نہ ہوسکا۔ اسی طرح اس بدعتی کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینا جائز سمجھتا ہے اسے بھی اہل سنت و جماعت کی طرف سے ایسا ہی کہا جائیگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے کے جواز میں روافض جو کچھ کہتے ہیں۔ اگر صحیح ہے تو ہم بھی نجات پا گئے، اور روافض بھی، کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں، کہ تارک السبّ کو نہ سزا دی جائیگی۔ اور نہ پوچھا جائیگا۔ اور اہل سنت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے سے منع کرتے ہیں۔ اگر ان کی بات صحیح ہو تو اہل سنت تو نجات پا گئے، اور روافض بدعتی ہلاک

ہو گئے۔ دیکھئے! اہل سنت دونوں صورتوں میں نجات پانے والے ہیں۔ اور اہل بدعت دونوں صورتوں میں معرضِ خطر میں ہیں۔ یہ طرزِ استدلال صرف اس مفروضے پر مبنی ہے کہ روافض کو جدل و مناظرہ کیلئے ڈھیل دی جائے، ورنہ روافض تو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے سے ہلاک ہو گئے۔

اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک لوگوں میں بہتر کون ہیں؟ تو کہیں گے حضرت موسیٰ کے اصحاب، اگر نصاریٰ سے یہ سوال کیا جائے تو وہ کہیں گے۔ کہ اصحاب عیسیٰ اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیساتھ بغض رکھنے والوں سے یہ سوال پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے نزدیک سب سے برے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

دعا بحضور ایزدی

ہم بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ جل جلالہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت عطا فرمائے۔ اور ہمارا جینا مرنا اور قیامت کو اٹھنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت پر ہو۔ اور اللہ جل جلالہ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی تنقیص یا انکی برائی بیان کرنے سے محفوظ فرمائے۔

بے شک اللہ جل جلالہ دعاؤں کو قبول کرنے پر قادر اور لائق ہے۔ اور اللہ جل جلالہ کی طرف سے درود وسلام ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر

مترجم:۔ صوفی محمد اسلم نقشبندی المزملی ثم الموہڑوی

06 رجب المرجب 1430

سوموار 29-06-2009

جامعہ عربیہ اسلامیہ جہلم شہر
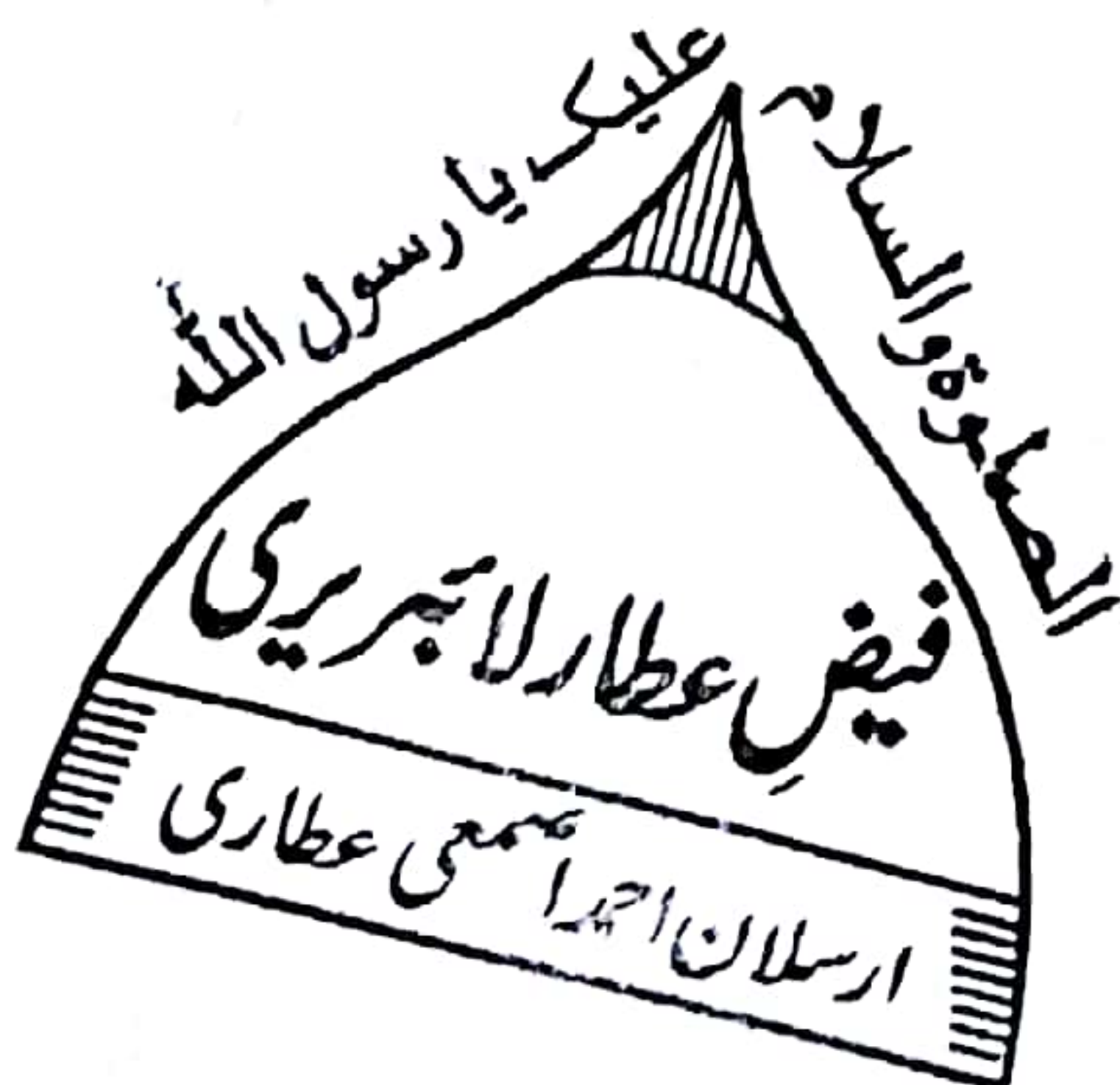
ادارے کی دیگر مطبوعات
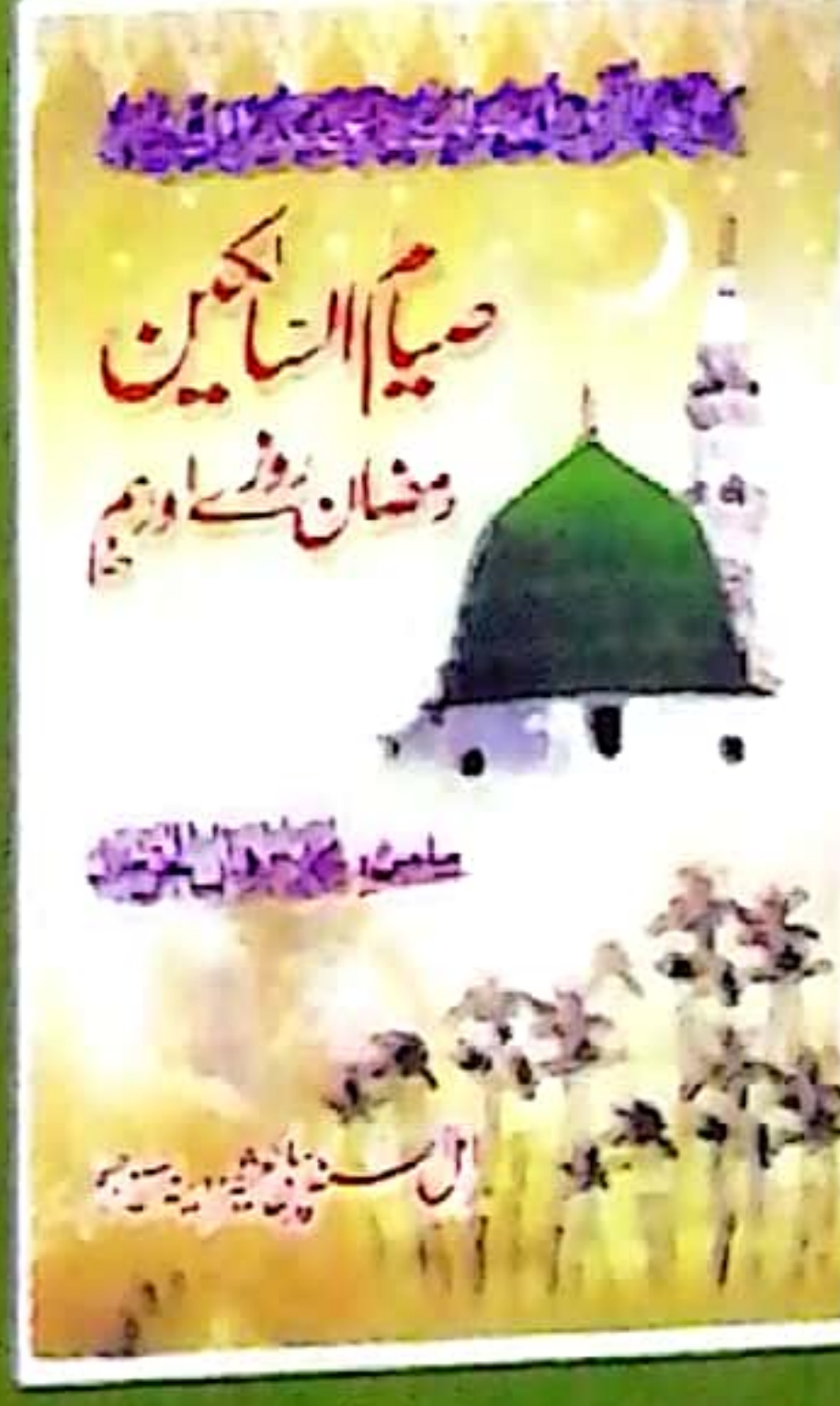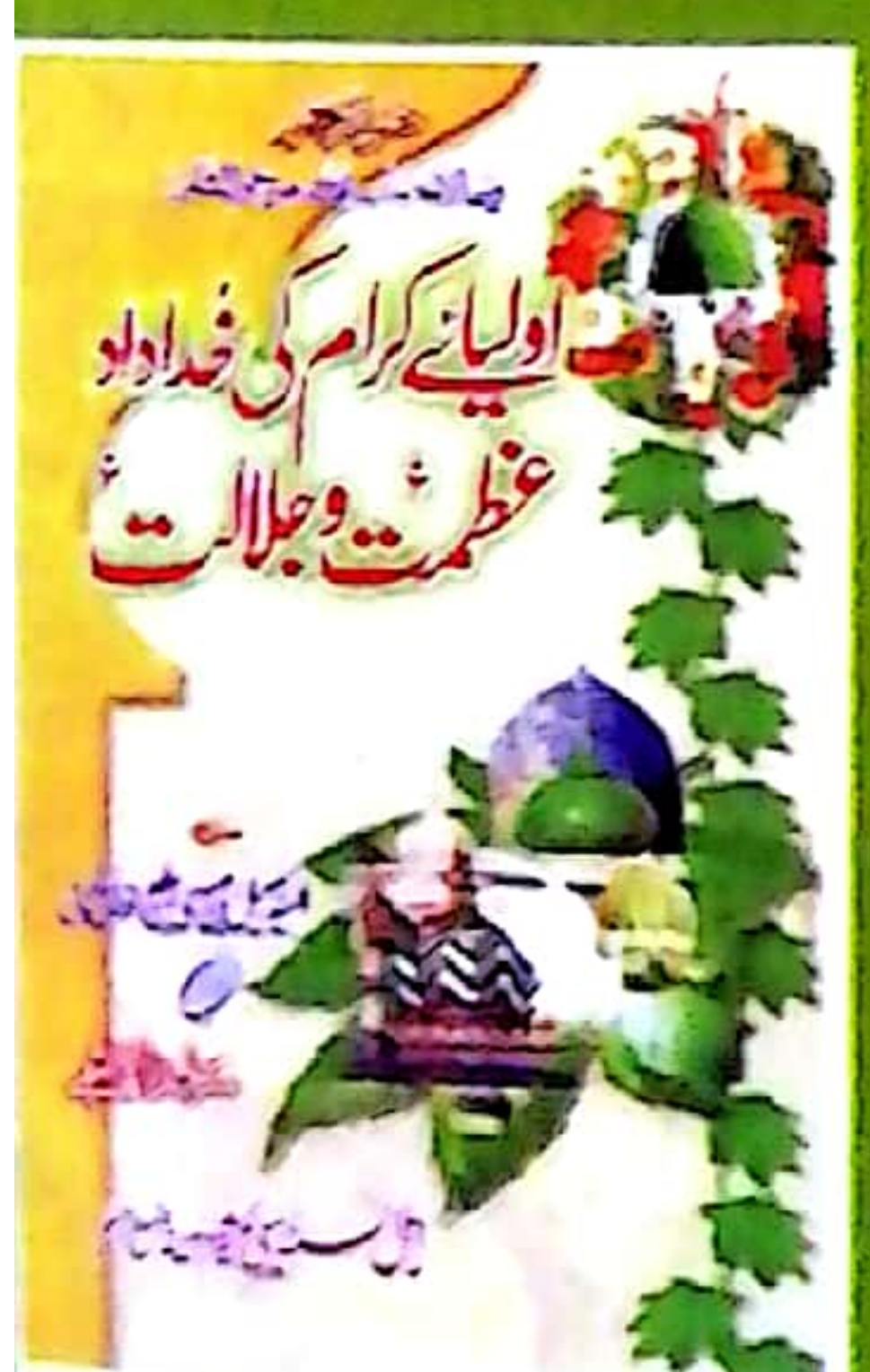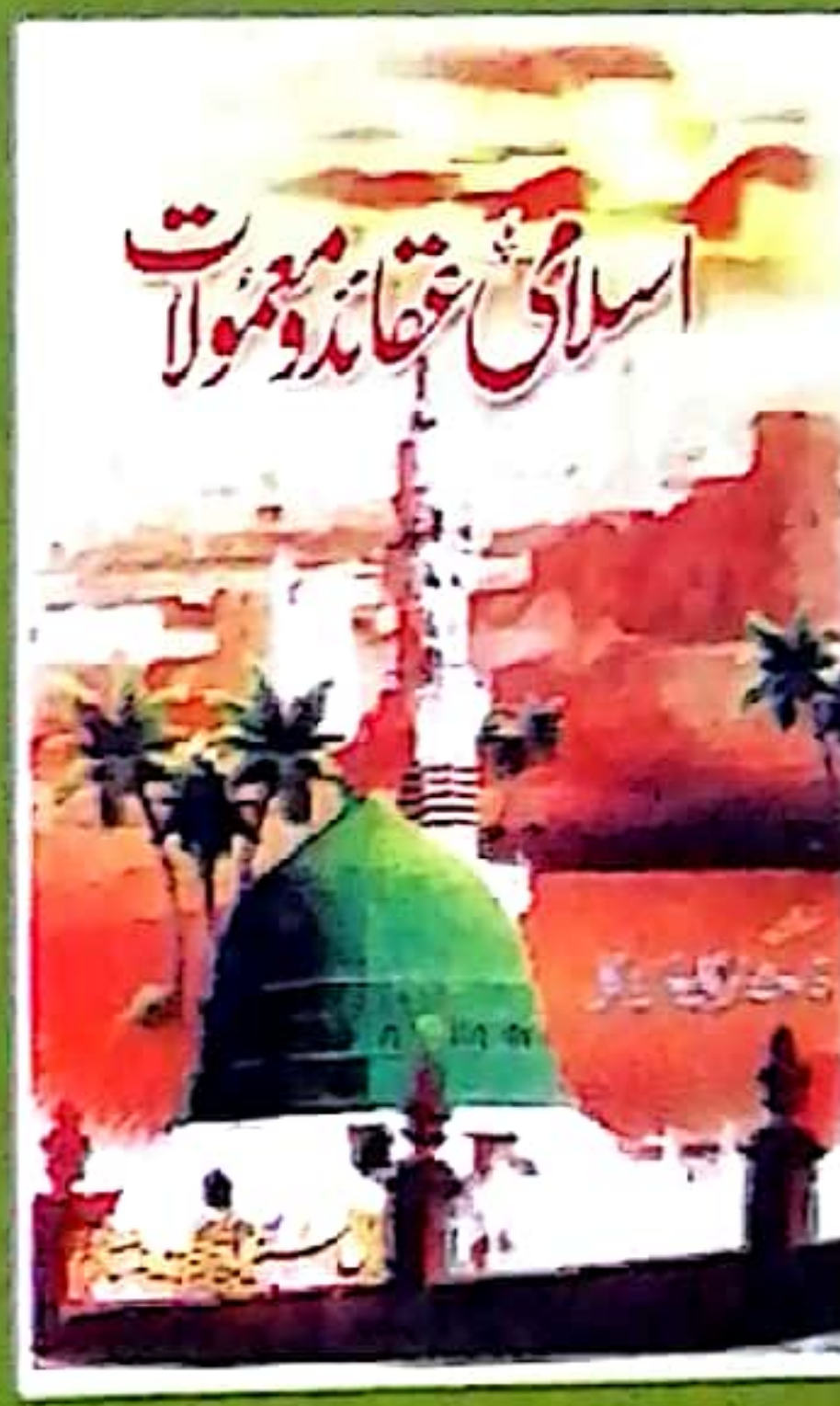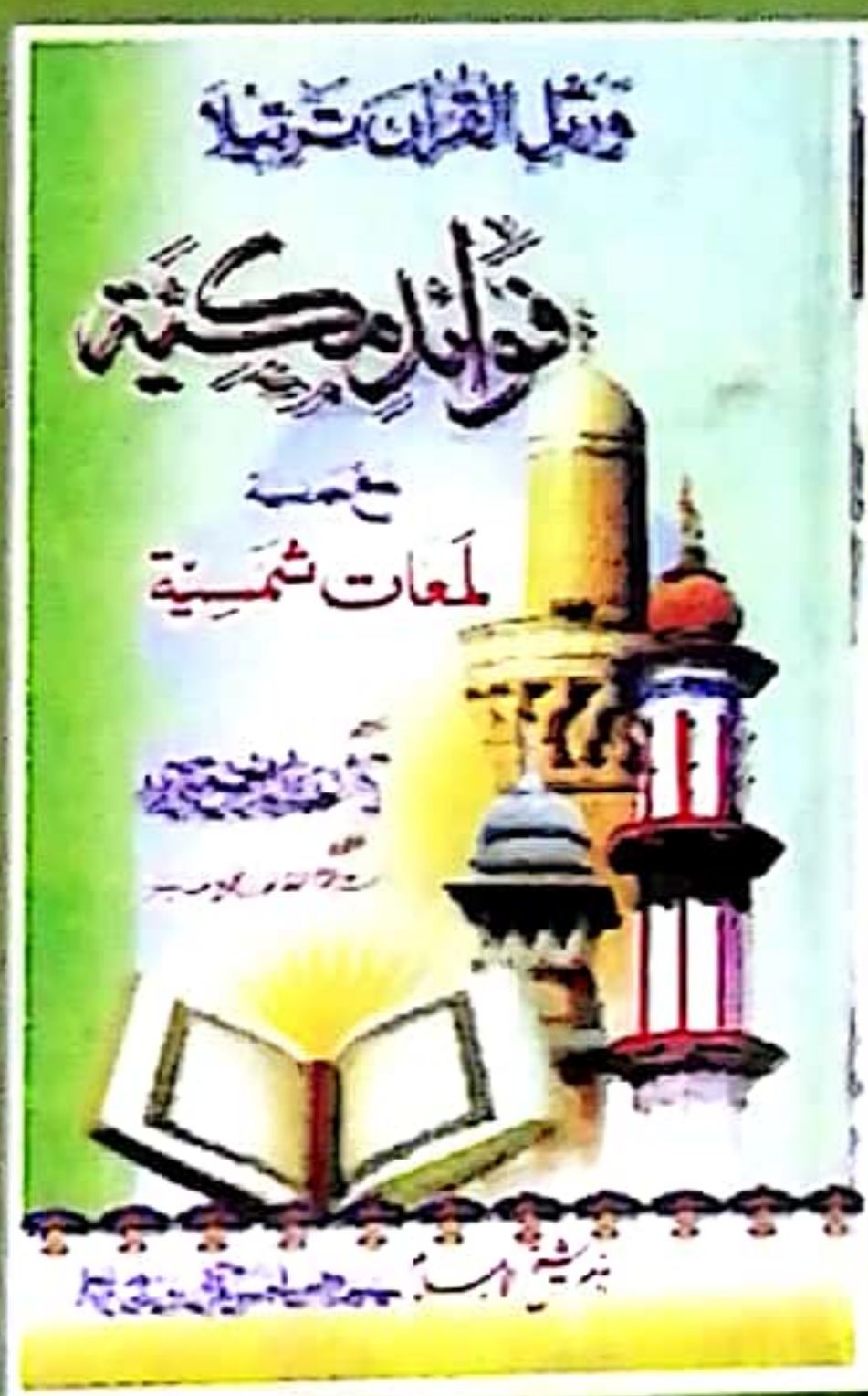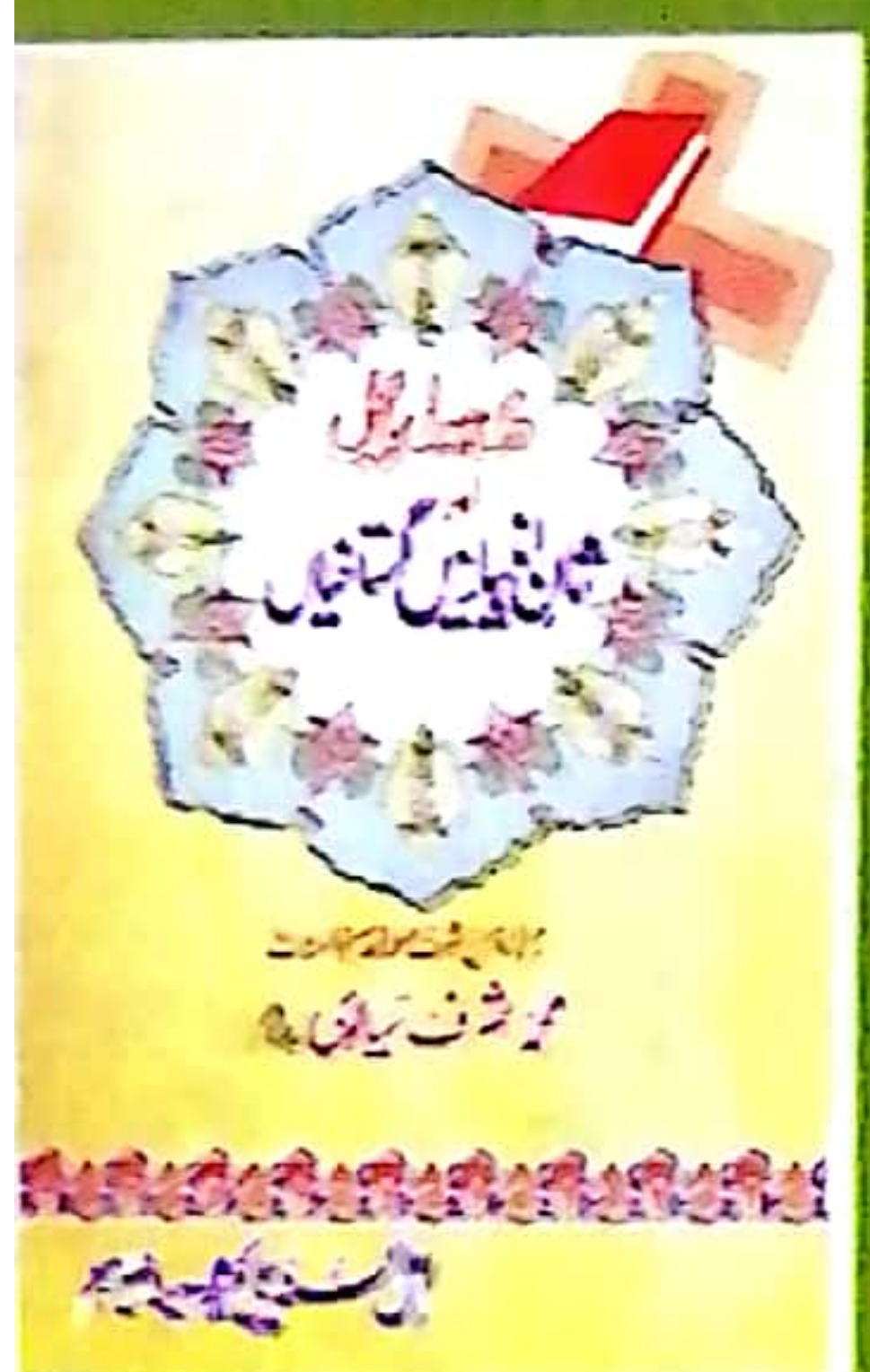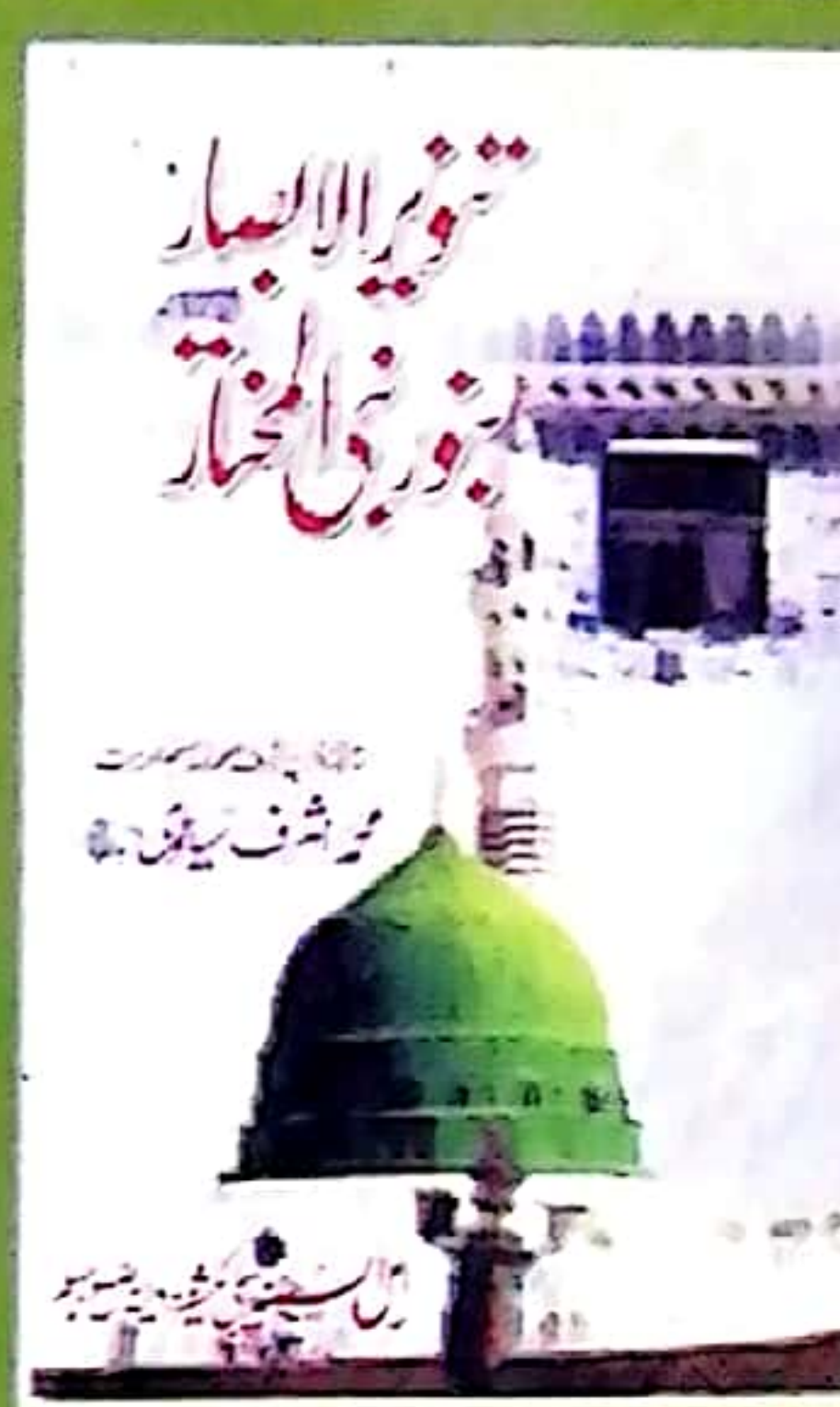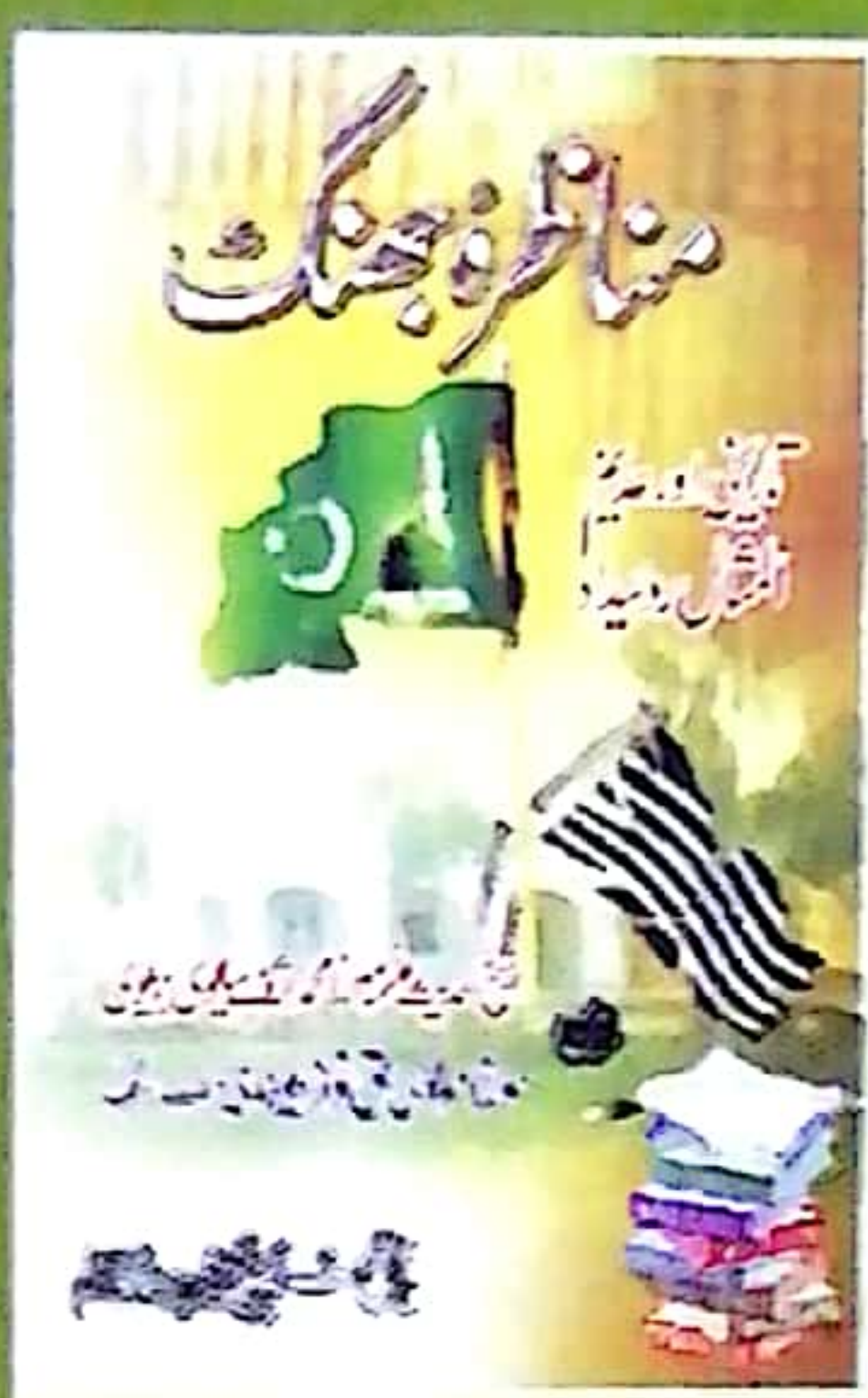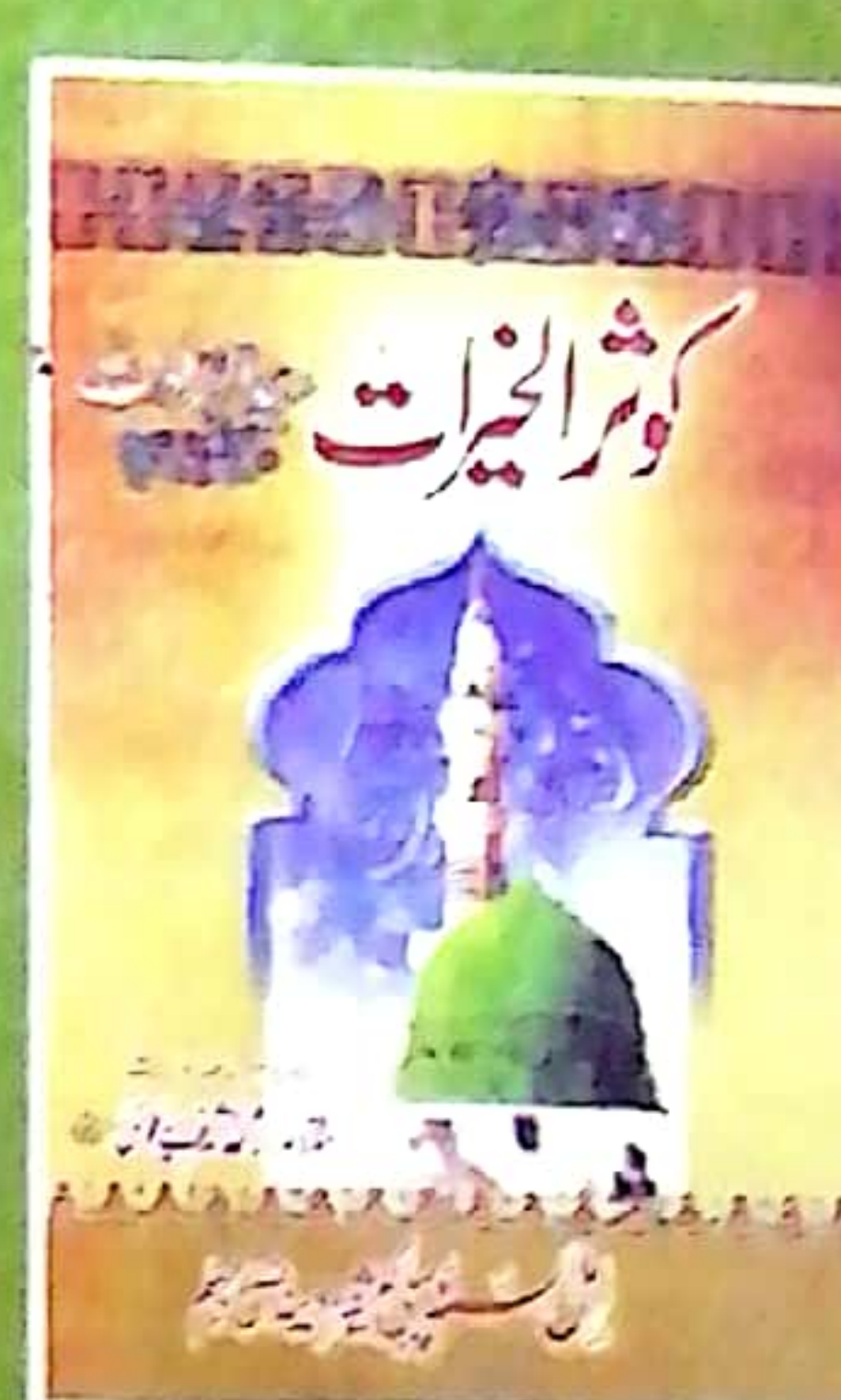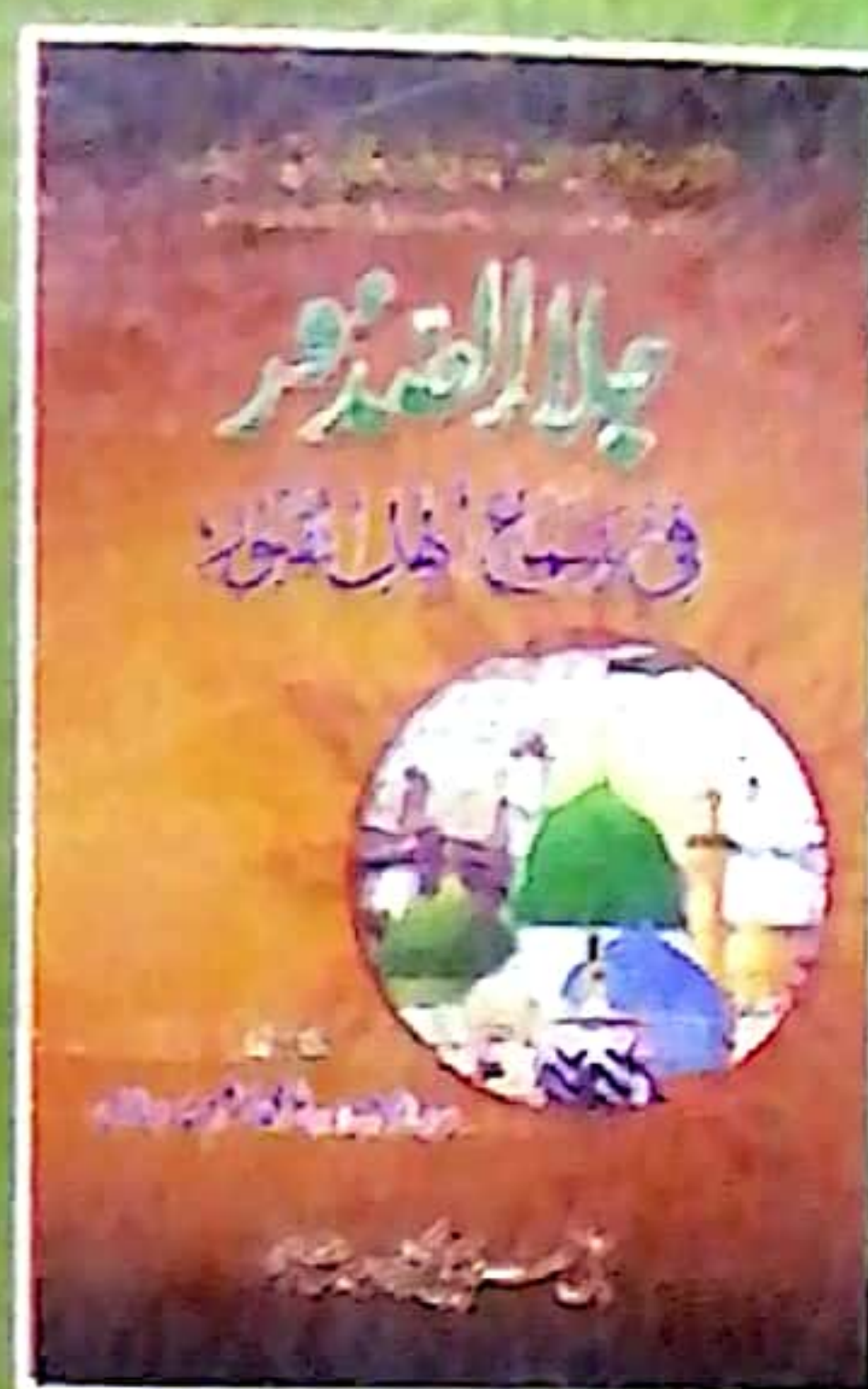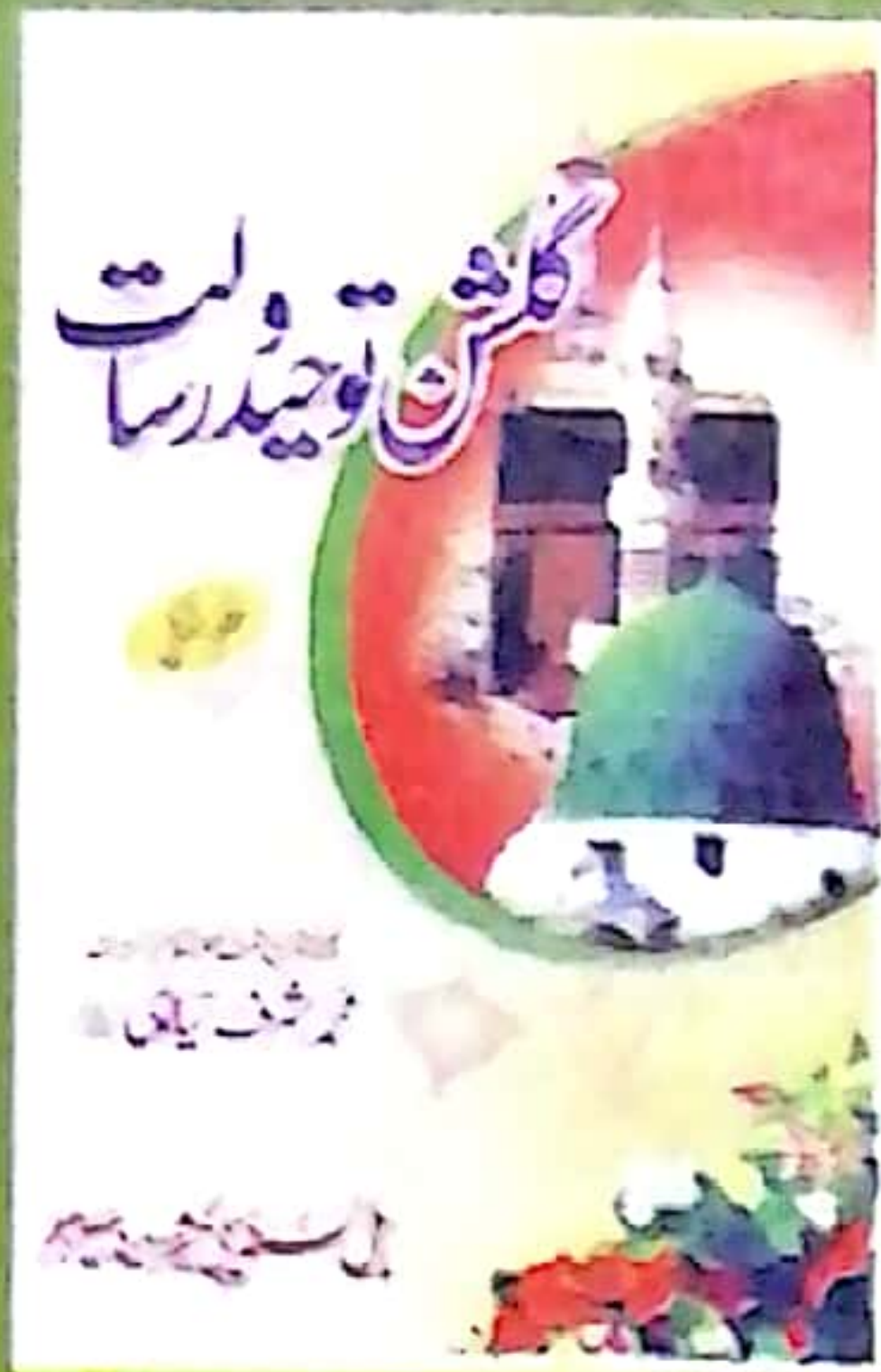
اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

Phone: 0321-7641096